فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532 قیمت فی پرچہ-/10 روپے
Email: centralanjuman@yahoo.com

جلد نمبر 99	9 جمادی الاوّل تا 9 جمادی الثانی 1432 ہجری یکم اپریل تا 30 اپریل 2012ء	شمارہ نمبر 8-7

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ

انسانی پیدائش کی اصل غرض۔۔۔گناہ کی صحیح تعریف

اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ انسانی پیدائش کی بھی اصل غرض اور مقصد یہی ہے کہ جملہ انسان خدا کے ہی ہو جائیں۔ انہی وجوہات سے انبیاء کی بعثت کی غرض انسانوں کو اسی مقصد کی طرف رہبری کرنا ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے گمشدہ متاع اور مقصد کو پھر حاصل کر لیں۔ اگرچہ گناہ کی بہت سی اقسام ہیں اور اس کے بہت سے شعبے اور شاخیں ہیں یہاں تک کہ ادنیٰ قسم کی غفلت بھی گناہ میں داخل ہے۔ لیکن سب گناہوں سے بڑا گناہ جو انبیاء کے اس مقصد عظیم کے مقابل انسانوں کو اصل مقصد سے ہٹانے کے لئے راستہ میں پڑا ہوا ہے وہ شرک کا گناہ ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں انسانوں کی پیدائش کی اصل غرض و مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہی ہو جائیں اور ہر قسم کے گناہوں اور ان کے محرکات سے بالکل دور رہیں لیکن بدقسمت انسان اپنی غفلت سے گناہ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جُوں جُوں وہ اس میں۔۔۔ ترقی کرتا جاتا ہے اُسی قدر اپنے اصلی مدعا یعنی خدا تعالیٰ کے قُرب سے دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار اس سفلی جگہ میں جا گرتا ہے جو جملہ مصائب، تکالیف، مشکلات اور ہر قسم کے دُکھوں کا گھر ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے۔

دیکھو اگر ایک انسان کا کوئی عضو مثلاً بازو یا اُنگلی یا انگوٹھا اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جائے تو کس قدر کرب و دُکھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسمانی نظارہ روحانی اور آخری عالم پر ایک زبردست دلیل ہے۔ گناہ کی تعریف یہی ہے کہ انسان اس مقصد سے جو فطرتاً اس میں رکھ دیا گیا ہے دور ہٹ جائے اور دور ہٹنے کا نتیجہ لازمی طور پر درد میں مبتلا ہونا ہے۔ (۴ دسمبر ۱۹۰۱ء)

مولانا مرتضٰی خان حسن مرحوم

”وہ جس نے کیا دین کو دنیا پر مقدم“

وہ پیکرِ تنویر جو پیری میں جواں ہے
لا ریب مجدّد کی صداقت کا نِشاں ہے

اوصافِ محمدؐ کا ثنا خواں اگر ہے
دانائے مقاماتِ مسیحائے زماں ہے

وہ جس نے کیا دین کو دنیا پر مقدّم
وہ جس کی نظرِ محرمِ اسرارِ نہاں ہے

وہ جانِ دو عالمؐ کی اداؤں کا فِدائی
دنیا کی طلب ہے نہ غمِ سود و زیاں ہے

جو تارکِ لذّات ہوا حق کی طلب میں
جو فقر میں بھی باعثِ صد رشکِ شہاں ہے

آدابِ جنوں آتے ہیں اس مردِ جری کو
برلن کی فضاؤں میں گڑا جس کا نشاں ہے

میخانہ افرنگ میں مینارِ ہدایت
جو طرب گیۂ نغمۂ تکبیرِ اذاں ہے

وہ آیہ ترتیل کی تفسیر سراسر
قرآں کے معارف کا حسیں زمزمہ خواں ہے

حق ترسی و ایثار، خطا پوشی و شفقت
جس قوم میں ہوں خالقِ تقدیرِ جہاں ہے

لڑتا رہا تا عمر جہانِ تگ و دو میں
آفات و بلیات میں مانند یلاں ہے

یہ ولولہ عشق، یہ پابندی پیماں
صد سالہ جواں وادی سلمٰی کو رواں ہے

یہ عمر، تبلیغ کا جذبہ، یہ عزیمت
حیرت زدہ اس بزم کا ہر پیرو جواں ہے

اس مردِ خدا مست کا حق حامی و ناصر
جو نصرتِ دین کی راہوں میں دواں ہے

درس قرآن کریم

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع سالانہ دعائیہ 2011ء بمقام جامع دارالسلام، لاہور

آج کے درس قرآن کریم کے لئے سورۃ النحل آیت 90-91 آپ کے سامنے تلاوت کیں۔ جن کا ترجمہ ہے:

''اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یادرکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو، جب تم عہد کرلو اور قسموں کو ان کے پکّا کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن کر چکے ہو، اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہو رہی ہے اور ہمیں یہ تاکید کی جارہی ہے کہ **اس نصیحت کو یادرکھنا ہے** یہ ایسی نصیحت نہیں جو اس درسگاہ کے باہر جاتے ہی ہم بھول جائیں اس کو یاد رکھنا ہے۔ اور **دوسری آیت** کا جو مضمون ہے وہ کچھ ہماری اس جماعت کی وابستگی کے متعلق بھی ہے اور اس عہد کے ساتھ بھی ہے جو ہمیں شمولیت اختیار کرنے کے وقت لینا ہوتا ہے۔ اور پھر جب ہم پر آزمائشیں آجاتی ہیں تو ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ **اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے**۔ یہ یقین اگر ہم پیدا کرلیں تو پھر یہ قَسمیں یہ وعدے پکے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کبھی ایسی مجبوری نہ لائے کہ لوگ اس کو توڑیں۔

ہم شرائط بیعت کو دوہراتے رہیں اور اپنے آپ کو ان کی روشنی میں اپنی روحانی حالتوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ اپنے اپنے گریبانوں کے اندر جھانکتے ہوئے ہم یہ بتاتے رہیں کہ اس چیز میں ابھی بھی کمزوری ہے۔ اس کو ہم نے بہتر کرنا ہے اور یہ ذاتی جائزہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان خود تہیہ کرلیتا ہے کہ وہ کس حد تک تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہے۔

جن آیات کو میں نے پڑھا اور آج کا مضمون بنایا ہے۔ کل سردار علی خان صاحب نے بھی پڑھیں اور کہا کہ اگر ہم قرآن کی اس نصیحت کو تھام لیں تو ہم کامیاب ہوجائیں گے۔

یہ آیت اتنی اہم ہے جس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ **پورے قرآن کریم کی تعلیم کا نچوڑ ہے** جو آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ نے پیش کیا ہے۔ اس لئے اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جس چیز پر عمل کرنا ہو اس کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بغیر سمجھے آپ عمل نہیں کرسکتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ **یہ قرآن کریم کی سب سے جامع آیت ہے**۔ اور جیسے آپ سب جانتے ہیں کہ **سورۃ التین** میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو حالتیں بیان فرمائیں ہیں۔ ایک انسان کی ظاہری حالت ہے کہ صرف انسان ہی ہے جو سوچتا ہے، بولتا ہے، فیصلے کرتا ہے اور یہاں تک فیصلے کرتا ہے کہ اکثر میں آکر خدا تک کو بھی نعوذ باللہ برا بھلا کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔ ایسے اگر نہ ہوتا تو ہمارے مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ کو یہ لوگ گالیاں کیوں دیتے رہتے۔ اور جب آپ کو گالی ملتی تو آپ اس کے بدلے میں دعا دیتے۔ ہمیں بھی ان کے اعلیٰ نمونہ پر اور تعلیم پر عمل کرنا چاہیے کہ:

گالیاں سُن کر دعا دو
پا کر دُکھ آرام دو

یہی چیز میں نے U.N.O میں کہی جب مجھے موقع ملا کہ ہمارے زمانے کے امام نے Peace (امن) کا یہ فارمولا بنا دیا کہ **گالیاں سن کر دعا دو۔**

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ''احسن تقویم'' کا مالک ہے۔ اس کے علم نے اس کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا، اس کی طاقت نے اس سے کیا کیا کروا دیا لیکن آگے فرمایا کہ **پھر ہم نے اس کو ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں**۔ جہاں پھل پکتا رہتا ہے وہاں سڑتا بھی ہے، جہاں جسم پلتا رہتا ہے وہاں اس نے کسی دن لوٹ کر ضعف کی طرف بھی جانا ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی تعلیم کے پہلو صرف Physical (جسمانی حالت) کے نہیں ہوتے اس میں روحانیت کا بھی بہت بڑا عنصر ہے۔ بلکہ سراپا روحانیت ہی روحانیت ہے۔ اس لئے ہم انسان کے روحانی عروج اور اس کے روحانی زوال کی بھی بات کرتے ہیں۔ اور یہ جو **احسن تقویم** ہے وہ ہمیں نفس متمعنہ تک لے جاتا ہے اور جب ہم **اسفل سافلین** کی طرف جھکاؤ کر لیتے ہیں تو وہ ہمیں دوبارہ نفس امارہ میں دھکیل دیتا ہے جہاں ہم شیطان کے دوست بن جاتے ہیں، بجائے اس کے کہ ہم خدا کے اولیاء بنیں۔ اور انسان ایسی گہرائیوں میں ایسے اندھیروں میں گر سکتا ہے اور وہ نفس جو ہم نے متمعنہ بنانا ہوتا ہے وہ زوال کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اور یہ وہ آیت ہے جس کو میں نے آج کے درس کا مضمون بنایا ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جو آپ کو آگے بڑھا کر نفس متمعنہ کی طرف لے جائے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر اولیاء اللہ پہنچتے ہیں اور اس میں ان چیزوں کی نشاندہی ہے کہ ایسے کرو گے تو ترقی کرو گے۔ اور اگر اس کے برعکس کرو گے تو اونچے مقام سے پستی کی طرف پھسل جاؤ گے۔

انسان کا وجود ایسا ہے کہ جہاں اس کو اللہ کی طرف سے آزادی دی گئی کہ وہ اس کو اپنی مرضی سے استعمال کرے۔ اچھا یا بُرا عمل کر کے۔ مثال کے طور پر انسان کا ہر عضو (آپ کی زبان، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) جہاں اچھائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہاں بُرائی بھی انہی کے ذریعہ سرزد ہوتی ہے۔ اچھائیوں پر چلتے جائیں تو ہم آگے بڑھتے جائیں گے اور برائیوں پر چلتے جائیں گے تو ہم برائیوں کی طرف بڑھتے جائیں گے۔ اور یہی ہمارا راستہ متعین کرے گا۔

اچھائی اور بُرائی کی تین حالتیں

اچھائی کی تین حالتیں کیا ہیں؟ ایک العدل جس کو ہم کہتے ہیں انصاف کرنا، اور ایک **الاحسان** ہے یعنی دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھائی کرنا، اور **ایک ایتای ذی القربی** ہے یعنی قریبیوں کو دینا۔ ان تینوں پر عمل کر کے ہم اپنی منزل پا ئیں گے لیکن اگر ہم دوسرا راستہ اختیار کریں گے یعنی **الفحشاء** (بے حیائی) المنکر (برائی) البغی (زیادتی) تو ہم روحانی طور پر زوال پذیر ہوں گے۔

اگر دنیا میں امارہ نہ ہوتا؟

حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں امارہ نہ ہوتا تو دنیا میں تمام چوریاں، ڈاکے، زیادتیاں، قتل ختم ہو جاتے۔ لیکن ہماری جماعت نے جو سوچنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے تو اس برائی کے راستہ سے خاص کر بچنا ہے۔ **ہمارا نصب العین تقویٰ کی طرف جانا ہے۔** اور کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی ہے اس کو ہم نے غور سے سننا ہے۔ اگر ماں باپ نصیحت کریں تو وہ انسان ہونے کی حیثیت سے غلط مشورہ بھی دے سکتے ہیں جس سے ان کو اور ان کی اولاد کو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ یہ نصیحت کر رہا ہے تو اس میں غلطی کا امکان قطعاً نہیں۔ اس لئے **ہمیں اس پر عمل کرنا ہے اور ہر لفظ پر عمل کرنا ہے** اور عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو تین تین اچھائیوں اور برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان کے مفہوم سے بخوبی واقف ہوں۔

العدل: اس کو ہم ''انصاف'' یعنی دونوں طرف پلڑا برابر رکھنا کہتے ہیں۔ سزا اتنی ہی ملے جتنی سزا ملنی چاہیے اور اجر اتنا ہی ملے جتنا اجر ملنا چاہیے۔ اس کو دنیا کے ہر مذہب میں اہمیت دی جاتی ہے اور اسے (Golden Rule) یعنی **''سنہری اصول''** کہا جاتا ہے۔ **اوروں کے ساتھ وہ کرو جو**

اپنے اوپر کرنا تم پسند کرتے ہو۔ ہر دین میں یہی ہے اور ہمیں رسول کریم صلعم نے فرمادیا ''**اس وقت تک تم مومن کہلا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنے بھائی کے لئے وہ نہ پسند کرو جو اپنے آپ کے لئے پسند کرتے ہو**'' اور **عدل** کے کچھ اور معنی بھی ہیں جن کو ہم نے سوچنا ہے کہ ہم عدل لوگوں کے ساتھ کریں اور اپنے آپ کو بھول جائیں تو یہ بھی انصاف نہیں۔ ہم اللہ کے حقوق ادا کرتے رہیں اور بندوں کے حقوق بھول جائیں یہ عدل نہیں ہے۔ سب سے پہلا حق **عدل** کا ہمارے اپنے نفسوں پر بنتا ہے جب ہم اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں، اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اور دوسروں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں تو یہ بھی بے انصافی بن جاتی ہے۔ **دوسرا عدل کا پہلو** یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نیک خوبیاں ہیں یعنی **اسماء حسنہ** ہیں ان کو اپنانا اپنے نفس کے ساتھ عدل ہوگا۔ وہ اگر رحم کرتا ہے تو ہم رحم کرنا سیکھیں، وہ معاف کرتا ہے تو ہم معاف کرنا سیکھیں۔ **تیسری چیز** جو ہے وہ ہمارا خالق ہے وہ ہمارا مالک ہے اس کے بھی حقوق ہیں جن کو ہم نہ بھولیں۔ ان کو ہم تب نہیں بھولیں گے جب اس کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرتے رہیں گے۔

حضرت مرزا غلام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم تھوڑا سا عوض دے کر چوکیدار رکھ لیتے ہیں تو ہم اس سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ساری رات ہماری حفاظت کے لئے نہ سوئے اور اگر ہم اس کو سوتا پالیں تو فوراً اس کی نوکری ختم کردیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: کہ ہمیں سوچنا چاہیے کہ **اللہ تعالیٰ جس نے ہمیں سب کچھ دیا ہوا ہے اس کے عوض ہم اس کی بارگاہ میں کتنی دیر رات کو جاگ کر حاضری دیتے ہیں؟** عدل تو یہ ہوا کہ ہم راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے حاضری دیں اور فجر کی نماز بھی ادا کریں۔ یہ ہی عدل ہے کہ بے حساب دینے والے کا ہم اٹھ کر اسکے شکر گذار بندے بنیں۔

احسان: دوسری چیز احسان ہے یعنی ''اچھائی کرنا'' اچھائی دوسروں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے جو اچھائی کرے۔ اس سے بڑھ کر اچھائی کرنا عدل کا تقاضا ہے۔ ہمارے ذمہ کسی کی چیز ہے تو احسان ہوگا کہ ہم اس کو بڑھا کر لوٹائیں۔ لیکن احسان میں دکھاوا آجانے کے بہت امکانات ہوتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہم زیادہ بھی دینے کو تیار ہوجاتے ہیں تا کہ ہماری واہ واہ ہوجائے۔

رسول کریم صلعم نے جو احسان کا تصور بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''**تم ایسے نماز ادا کرو جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو**'' اللہ کا نظر آنا وہ روحانی کیفیت ہے کہ اپنی مکمل توجہ اس کی طرف کرلیں۔ اور جو ہم پڑھ رہے ہیں اس کو سمجھ کر کہیں۔ تو پھر اللہ کی خوبیاں اس کا حُسن روحانی طور پر نظر آتا ہے۔ تو اس کا حُسن ہم پر ایسے واپس آئے گا جیسے شیشہ پر روشنی پڑے تو واپس لوٹ کر آجاتی ہے۔ اس لئے خدا کو دیکھنا نماز میں بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم یہ کبھی مت بھولیں کہ اگر ہم اس حالت کو نہیں پا سکے تو یہ تصور رہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

دنیا کے اسباب نظر میں نہ رکھو اور جانیں کہ **ایاک نعبد وایاک نستعین** کہتے وقت کہ ''**میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں**'' اور یہ جو باہر کے وسائل ہیں ان پر ہماری نظر نہیں ہے۔

کسی کو درگذر کردینا، کسی کو معاف کردینا یہ بھی احسان ہے۔ ہمارا حق ہے کہ ہم اس کو معاف نہ کریں لیکن اگر ہم نے معاف کردیا تو یہ ہم نے احسان کردیا۔ اور جب نمازوں کے بعد ہم بیٹھ کر نوافل پڑھ رہے ہوتے ہیں تو یہ بھی احسان میں آجاتا ہے۔ اور کسی کو معاف کرنے کا فارمولا مسیح موعودؑ نے بتایا ہے کہ:

''گالیاں سن کر دعا دو، پا کر دکھ آرام دو''۔

ایتای ذی القربیٰ (نزدیکیوں کو دینا) لوگوں کو دینا، قریبیوں کو دینا، وہ تو قرآن نے تفصیلاً بتادیا ہے کہ اللہ کی راہ میں کس پر کتنا خرچ کیا جاسکتا ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ سے بہتر روحانی تعلیم کون دے سکتا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جیسے اپنے قریبی خاص کر بچے جتنے عزیز ہوتے ہیں اس سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں ہوسکتی۔ لیکن حضرت صاحب

نے اس بچے کی مثال **"ازالہ اوہام"** میں دی کہ وہ بچہ جو ماں کو پیارا ہے۔ اگر بادشاہ کہے کہ تم میری سلطنت لے لو، میرا مال لے لو لیکن جب تمہارا بچہ روئے تو تم نے اس کو دودھ نہیں دینا، اس کو اپنی نظروں سے بیٹھ کر مرتا دیکھنا ہے تو کوئی ماں یہ سودا قبول نہیں کرے گی۔ یہ مثال محبت کی حضرت صاحب نے دی ہے جو قیمتاً ادا نہیں ہو سکتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ **خدا تعالیٰ کو اس طرح محبت دو جیسے کہ آپ اپنے قریبیوں کو دے رہے ہو۔** اگر ہم خدا کو وہ محبت دینے لگیں جو ماں اپنے بچے کو دے رہی ہے تو پھر ہم نے ایک سٹیج آگے ترقی کر لی۔ اور اس محبت کو **"کشتی نوح" کے صفحہ نمبر 28** پر یوں بتایا ہے کہ ایسا انسان ایتای ذی القربی کے نزدیک آتا ہے **جس کی عبادت نہ تو جنت کی طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے ڈر سے** بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ جنت ہے ہی نہیں، دوزخ ہے ہی نہیں۔ پھر بھی اس کا جوش محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ اگر ہمیں آج کوئی آ کر بتا دیتا ہے کہ جنت نہیں ہے تو پھر ہم کیا نیکیاں چھوڑ دیں گے؟ کہ جنت تو ملنی نہیں۔ یا دوزخ کی سزا تو ملنی نہیں۔ اگر ہم نہ ڈریں تو پھر کیا ہم نیکیاں کرنا چھوڑ دیں گے؟ لیکن جب ہماری محبت اللہ کو دینے والی محبت بن جائے گی تو پھر ہمیں فرق نہیں پڑتا ہے کہ سزا ملنی ہے یا انعام ملنا ہے ہم نے تو اللہ کی راہ میں لگے رہنا ہے۔ اور اسی کو قرآن نے یوں فرمایا ہے **"کہہ دو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور تمہارے مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کا مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔**

(سورۃ التوبہ 9:24)

وقت کی کمی کی وجہ سے میں آخر میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ ہیں "الفحشاء"، "المنکر" اور "البغی" یہ تین چیزیں ہیں ان کا آپ نتیجہ دیکھیں کہ دنیا میں جہاں پر "الفحشاء"، "المنکر" اور "البغی" آتی ہے تو کیا کیا نقصانات ہو جاتے ہیں، "الفحشاء" کو اگر ہم دیکھیں تو یہ وہ گناہ ہیں جن کا اثر صرف ہماری اپنی ذات پر پڑتا ہے اور کسی کو فرق نہیں پڑتا۔ ہم گناہ کرتے جاتے ہیں جو ہمیں معلوم ہیں تو وہ ہم اپنی ہی ذات کو نقصان دے رہے ہیں۔

پھر آجاتا ہے **"المنکر"** جس سے دوسروں کے حقوق پر اثر پڑتا ہے۔ اور اس سے آگے ہے **"البغی"** یہ وہ سٹیج ہے جس سے قوموں کو نقصان ہو جاتا ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ اس درس قرآن کریم پر مجھے اور آپ سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرف سے ہر گھڑی حفاظت عطا فرمائے اور ہمیں اس مقصد کو آگے بڑھانے میں مدد عطا فرمائے جس کے لئے ہماری یہ جماعت قائم ہے، اللہ تعالیٰ اس جماعت کے آگے تمام جو روکاوٹیں ہیں ان کو دور فرمائے، اللہ تعالیٰ اس جماعت کی اس ملک میں اور تمام دنیا میں حفاظت فرمائے۔ اور سب کو ہدایت کی راہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

خدا کی راہ میں مصائب ترقی کا ذریعہ

خطبہ جمعہ: فرمودہ عامر عزیز الازھری، مورخہ 2 مارچ 2012ء بمقام جامع دارالسلام، لاہور

”جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے ان کو پناہ کی اور مدد دی یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا فرض ہے سوائے اس کے کہ یہ مدد ان لوگوں کے خلاف ہو جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد دی یہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے حفاظت اور عزت کا رزق ہے۔ اور جو بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم میں سے ہی ہیں اور حتی کہ تعلقات والے اللہ کے حکم میں آپس میں زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔(سورۃ انفال آیت نمبر 73 تا 75)

ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو تمام مومنین کو اور تمام انسانوں کو وہ خاص احکامات دیئے ہیں جو کسی بھی وقت، کسی بھی لمحے، کسی بھی قوم، کسی بھی مذہب کے لوگوں، کسی جماعت، کسی فرد یا کسی خاندان کو پیش آسکتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام احکامات کو اجمالی رنگ میں بیان کر دیا کہ ان سے انسان وقتاً فوقتاً اپنے حالات کے مطابق فائدہ اٹھا سکے۔ اور ان احکامات پر عمل کرنے سے وہ اپنی اور اپنے خاندان، اپنے معاشرے اور اپنے دین کی خدمت بھی کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ بھی پہنچا سکتا ہے۔ جب دین اسلام کا آغاز ہوتا ہے اور آج جس دور میں ہم ہیں اسی میں بڑا فرق ہے۔ آج کی صورت حال اس سے مختلف ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھی جب دین شروع ہوا۔ وہ اور حالات تھے اور ان کے تقاضے اور تھے۔ آج ایک مختلف دنیا ہے اور اس کے مختلف تقاضے ہیں، اس کے مختلف انداز ہیں اور مختلف پہلو ہیں۔ اس لئے ہمیں ان سب کو سامنے رکھنا ہے۔

میں نے یہ موضوع اس لئے چنا کہ ابھی کچھ ایسے واقعات ہوئے ہماری اپنی جماعت کے ساتھ بھی اور کچھ باہر بھی جس کے بارے میں سوچنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اس سلسلے میں جو قرآن مجید کی تعلیم ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ سب سے پہلے تو میں جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے جو گلگت میں چند معصوم لوگوں کو اتار کر بلا وجہ محض کسی فرقہ سے تعلق رکھنے سے ان کو گولیوں سے بھون دیا گیا اور اس عمل کو اسلام کی بڑی خدمت سمجھا گیا۔ یہ ایک قابل مذمت واقعہ ہے۔ دین اسلام اس کی کبھی اجازت نہیں دیتا کہ آپ کسی بھی مذہب کے لوگوں کو، کسی انسان کو، کسی جان کو بھی اس طرح قتل کریں۔ چاہے آپ حق کے نام پر ہی قتل کیوں نہ کر رہے ہوں۔ ہم اس واقعہ کی پُر زور مذمت کرتے ہیں۔ دوسرا واقعہ بھی آپ سب کے علم میں ہے جو سرائے نورنگ میں پیش آیا جہاں پر ہمارے بھائی صاحبزادہ داؤد کو شہید کیا گیا اور اسی طرح ان کی ساری فیملی کے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر مختلف جگہوں پر صابروں کی طرح ہیں اور ان کو اپنا گھر اس مجبوری کے تحت چھوڑنا پڑا کیونکہ وہاں پر حالات اس طرح کے بنا دیئے گئے کہ وہ لوگ وہاں پر ٹھہر نہ سکے۔ اور یہ ہر ایک انسان غور کر سکتا ہے کہ جب اس کو اپنا گھر چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر رہنا پڑے تو یہ کتنا مشکل کام ہے۔ سیر کی خاطر آپ چند دنوں کے لئے کہیں چلے جائیں تو وہاں بھی زیادہ دیر کے لئے نہیں رہ سکتے۔ اور کہاں آپ ان حالات میں باہر آئیں کہ آپ کو اپنے گھر کی ہر چیز چھوڑ کر آنا پڑ جائے۔ ہم میں سے بہت سارے لوگ اس صورت حال سے گذرے ہوئے ہیں۔ کچھ 74ء میں

اپنے گھر چھوڑ کر آئے، کچھ 84ء میں چھوڑ کر آئے، کچھ میری طرح 94ء میں چھوڑ کر آئے اور کچھ ہیں جو آج 2012ء میں اپنے گھروں سے باہر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جو میں نے شروع میں تلاوت کی ہیں تمام لوگوں کو جن کو یہ حالات پیش آئے ہیں ان کو ایک سبق دیا اور نتیجہ بھی بیان کیا کہ یہ چیزیں گھبرانے والی نہیں ہوتیں۔ اسلام کا آغاز دیکھیں کہ رسول کریم صلعم مکہ کے حالات دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو کہتے ہیں حبشہ چلے جائیں۔ دوسری دفعہ پھر آپؐ اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ سب حبشہ چلے جائیں کیونکہ وہاں ایک عیسائی ملک ہے اور حکمران عیسائی ہے، وہ امن اور انصاف دینے والا ہے، لوگوں کو تشدد پر نہیں ابھارتا۔ اور پھر تیسری دفعہ جب بہت زیادہ مجبور کر دیئے جاتے ہیں تو پھر خود بھی وہاں سے نکلتے ہیں اور مدینہ جا کر اپنی نئی حکومت قائم کر لیتے ہیں۔ رسول کریم صلعم کو بھی یہ حالات پیش آئے۔ آپؐ کے صحابہؓ کو بھی یہ حالات پیش آئے۔ اس لئے اگر کسی انسان پر یہ وقت آئے تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول کریم صلعم کی اور جو آپؐ سے پہلے انبیاء گذرے ان کی سنت پر چلایا ہے اور وہ لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر رکھا ہے۔ یہاں پر فرمایا کہ ''جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے ان کو پناہ دی اور مدد دی ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

یہاں پر ہجرت کا طریقہ بیان کیا کہ ایک تو یہ صرف خدا کی خاطر ہونی چاہیے، دین کی خاطر ہونی چاہیے، حق کی خاطر ہونی چاہیے، دنیاوی فائدے کی خاطر نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' اور پھر یہ کہا کہ جو شخص جس نیت کے ساتھ ہجرت کرے گا وہ اس کو ملے گی اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کے لئے ہجرت کر رہا ہے وہ بھی اس کو ملے گی۔ لیکن بہترین ہجرت اللہ کی راہ میں نکلنا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے دین کے لئے جائز رکھا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی کہا کہ جنہوں نے ان کو مدد دی وہ آپس میں دوست ہیں۔ یعنی ایک تو یہ ہے کہ جن کو نکلنا پڑ جائے وہ اپنے گھروں سے نکل آئیں اور دوسرے وہ جو اُن کو مدد دینے والے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ دینے والے یا جو اُن کے ساتھی ہیں مختلف بہانے تراشنا شروع کر دیں یا ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ تو یہ کہا کہ جنہوں نے ان کو مدد دی وہ آپس میں دوست ہیں۔ مہاجرین کی مدد کرنا فرض ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلعم نے اس کا بھی ایک نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا اور آپؐ نے ''مواخات مدینہ'' کے نام ایک حکم دیا اور اس حکم کے تحت تمام وہ لوگ جو ہجرت کر کے آئے تھے اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ تو کہا کہ ان کے آپس میں حقوق ہیں۔ ان لوگوں نے مہاجرین کو کاروبار میں شریک بنالیا، جتنی مدد وہ کر سکتے تھے ان لوگوں نے مدد کی۔ اور جو آنے والے مہاجر تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والے لوگ تھے۔ وہ اس خاطر نہیں آئے تھے کہ ہم یہاں سے جب نکلیں گے تو دنیاوی فائدہ لیں گے بلکہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا ذکر آتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ رسول کریم صلعم نے آپؓ کو بھائی بنایا تھا انہوں نے کہا یہ میری چیزیں آپ کے لئے حاضر ہیں تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ مجھے صرف تم بازار کا راستہ دکھا دو باقی کام میں اپنا خود سنبھال لوں گا۔ وہاں سے وہ نکلے تو دوسری جگہ جا کر انہوں نے زندگی آباد کر دی۔ یہ ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ اگر کوئی ہمارا بھائی ان حالات میں ہمارے پاس آتا ہے تو یہ ہر ایک کا فرض بن جاتا ہے بحیثیت ایک قوم کے بھی، بحیثیت ایک جماعت کے بھی اور بحیثیت ایک فرد کے بھی، انفرادی طور پر جو ہم کر سکتے ہیں وہ بھی ہمیں کرنا چاہیے۔ اور اجتماعی طور پر بھی جو ہم کر سکتے ہیں وہ بھی ہمیں کرنا چاہیے۔ یہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے، صرف باتوں سے نہیں بلکہ عملی طور پر جو کچھ بھی ان حالات میں کیا جا سکتا ہے وہ کرنا ہمارا فرض ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص ان حالات میں بھی وہاں سے نہیں نکلتا اور وہ اللہ کی خاطر دین کی خاطر نہیں نکلتا تو فرمایا کہ تمہارا ان کے ساتھ دوستی کا کوئی حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا فرض ہے سوائے ان لوگوں کے جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ اگر معاہدہ ہے تو معاہدے کی پاسداری قرآن مجید نے سکھائی ہے کہ جو تم نے عہد کیے ہیں ان وعدوں کی پاسداری کرو۔ برادری، رشتہ داری اور دوستی کو اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ وابستہ کیا کہ تمہارے دوست وہ ہیں تمہاری برادری وہ ہے تمہاری رشتہ داری وہ ہے جو تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں اکٹھے ہیں۔ وہ نہیں ہیں جو تمہارے دین کو جھٹلاتے ہیں، وہ نہیں ہیں جو تمہیں بھٹکاتے ہیں، ان کے ساتھ تمہاری کوئی

برادری نہیں ہے۔ تمہارے دوست، تمہاری برادری، تمہارے تعلقات ان کے ساتھ ہونے چاہئیں جو تمہارے دین میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے ساتھ ہر ایک معاملے میں مدد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر کہا کہ جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ اب یہاں یہ کہا کہ اگر آپ اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کریں گے تو جو کافر ہیں وہ تو ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا آپ کو نظر آتا ہے۔ لیکن اگر تم اپنے دوستوں کے ساتھ تعاون نہیں کرتے، تم ان کے ساتھ مدد نہیں کرتے تو پھر فتنہ اور فساد ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے میں مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

جب آپ کے بھائی کسی مشکل میں ہیں تو ان کی مدد کرنا وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے فتنہ اور فساد ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان آیات پر غور کریں تو جہاں ایسے حالات ہوں اور فتنے کا ڈر ہو تو وہاں سے نکل جانا بھی اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ اس لئے ان حالات سے ڈرنا نہیں چاہیے اور نہ ہی ان حالات سے انسانوں کو اپنی ہمت چھوڑنی چاہیے کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ آپ دیکھیں کہ رسول کریم صلعم کے ساتھی مکہ سے نکلے۔ وہ مدینہ گئے، کچھ وہاں سے نکلے کسی اور ریاست میں چلے گے، وہاں سے نکلے کسی اور جگہ پہنچ گئے اور جہاں جہاں گئے وہیں انہوں نے اسلام کی روشنی پھیلا دی۔ اسی طرح یہاں بھی اگر ہمارے بھائیوں کو مشکل ہو تو ان کو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ "وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی سچے مومن ہیں" یہ نشانی بیان کی کہ جو خدا کی خاطر جہاد کرنے والے، خدا کی خاطر ہجرت کرنے والے، اللہ کی خاطر اور دین کی خاطر اس راستے میں نکلتے ہیں تو ان کے لئے حفاظت اور عزت کا رزق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ جو اللہ نے ہجرت کا راستہ چھوڑا ہے وہ تمہارے لئے حفاظت عزت اور رزق کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو چھوڑ دے گا بلکہ کہا کہ یہ تمہارے لئے رزق کا اور عزت کا موجب بنے گی۔

یہ حالات جو ہمیں درپیش ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی خاطر نکلنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے دین کو بچانے کے لئے نکلنا یہ صراط مستقیم ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہت بڑا جہاد ہے۔ ہمارے جو بھائی اس وقت سرائے نورنگ سے اور مختلف جگہوں سے مجبوراً نکلے ہیں جہاں ہمیں اس کا افسوس ہے اور ہماری ہمدردی اور دُکھ عیاں ہیں وہاں ہم ان کو مبارک باد بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسولوں کے اور نبیوں کے طریق پر چلایا ہے۔ آج جہاد بالکل مختلف ہے، آج کے دور میں جنگ و جدل کی ضرورت نہیں ہے، لڑائی کی ضرورت نہیں ہے، آج جان کے جہاد کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ کہا کہ مال اور قلم کے جہاد کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم نے کس طریقے سے دین حق کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، اور کس طرح ہم نے اپنے دین کی اشاعت کرنی ہے۔ صرف یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا ضروری ہے بلکہ کہا کہ جس مقصد کے لئے آپ نکلے ہیں اس مقصد کو آگے بڑھانا ہے۔ وہ لوگ جو اس کام کو آگے بڑھانے والے ہوتے ہیں اور اس مشن کو آگے بڑھانے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کی مدد کرنے والے ہیں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت بھی ہے، رزق بھی ہے، حفاظت بھی ہے۔

آگے فرمایا "جو تم میں سے رشتے والے ہیں رشتہ کے تعلقات والے ہیں اللہ کے حکم میں آپس میں زیادہ حقدار ہیں"۔ یعنی جہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان حقوق کو بیان کہ آپس میں دین کے ذریعہ سے اور ایک خاص نقطہ نظر کے لوگ اکٹھے ہوں تو وہاں پر کہا کہ یہ نہ ہو کہ تم اپنے رشتے داروں کے حقوق چھوڑ دو بلکہ کہا کہ وہ اللہ کے نزدیک زیادہ حقدار ہیں اگر وہ تمہارے ساتھ ہیں، تمہارا دین کے معاملے میں ساتھ دینے والے ہیں، اگر ساتھ دینے والے نہیں ہیں تو پھر تمہارا بھی ان پر کوئی حق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان سب بھائیوں کو جو اس مشکل میں اپنے گھروں سے نکلے ہیں ان کی مدد فرمائے اور ان کی مشکلات کو آسان کرے اور جو ان کو تکالیف آئی ہیں اللہ ان کو صبر سے برداشت کرنے کی توفیق دے۔ اور ان کے جان و مال کی حفاظت فرمائے۔ اور اگر ان کو دوسری جگہوں پر رہنا پڑے تو اللہ تعالیٰ ان کی وہاں پر بھی مدد کرے اور ان کو وہاں بھی کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے۔ اور وہ دین کے خادم اور اسلام کی خدمت کرنے والے بنیں۔ آمین

☆☆☆☆

مردِ مجاھد

یعنی

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد علیہ الرحمتہ

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شد بعشق

ثبث است بر جریدہ عالم دوام ما

(محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ)

۲۱ اپریل ۱۹۴۳ء وہ تاریخ ہے کہ اس دن وہ دین اسلام کا مجاہد، احمدیت کا پہلوان، ملت کا درخشندہ ستارہ یعنی ڈاکٹر بشارت احمد علیہ الرحمتہ ہماری ان آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔

زمانہ بجلی کی سرعت سے گذرتا جارہا ہے۔کل کی بات ہے کہ جس کا تیرہ سو سال سے انتظار تھا وہ مجدد زماں آیا۔یعنی چودھویں صدی کا چاند طلوع ہوا۔ ستاروں کا جھرمٹ اس کے گرد تھا اور آفتاب نبوت سے لی ہوئی ہلکی ہلکی سہانی چاندنی اس پرشور دنیا کو امن کا پیغام دے رہی تھی یکا یک زمانے نے ورق الٹا۔ وہ خدا کا پیارا اور امن کا شہزادہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔مگر اس نے جو قرآن کی مشعل اس تاریک دنیا میں روشن کی اس کے اردگرد پروانوں کی طرح چند سعید روحیں جمع ہوگئیں تھیں جنہوں نے اس شعلہ نور سے منور ہوکر نہ صرف اپنی زندگیوں کو روشن و بامراد بنالیا بلکہ ان کی مبارک ہستیاں اور ان کے نقش پا عرصہ دراز تک اپنی چمک سے بھٹکتے ہوؤں کو منزل مقصود کا پتہ دیں گے۔حضرت مولانا نورالدین، حضرت مولانا عبدالکریم، حضرت مرزا یعقوب بیگ، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت سید محمد حسین، حضرت ڈاکٹر بشارت احمد علیہ الرحمتہ ودیگر کئی مبارک وجود جو آج ہماری ان آنکھوں سے نہاں ہیں وہ اپنی زندگی سے مسیح موعود کی صداقت وقوت قدسی کو ثابت و درخشاں کر گئے۔ان میں سے موخرالذکر بزرگ جن کو اپنے رب سے ملے ہوئے پورا ایک سال ہوگیا ہے اور جن کی یاد ان کے دوستوں کے دلوں میں اب بھی کروٹیں لے رہی ہے۔وہ مردِ مجاہد ہے جس کا بچپن، جس کی جوانی، جس بڑھاپا جہاد فی سبیل اللہ کا ایک مسلسل وروشن باب ہے۔جو ایک اور صرف ایک ہی مقصد یعنی حق وصداقت کو سامنے رکھ کر اپنے فرائض کے مختلف پہلوؤں کو نہایت حسن وخوبی سے نبھا کر اس آزمائش گاہ عالم میں سے بوئے گل کی طرح گذر گیا جس کی مہک پیچھے آنے والوں کی بھی رہنمائی کررہی ہے اور جس کی گرد راہ کہکشاں کی طرح منور ونمایاں ہے۔آیئے ہم ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس کی زندگی پر ڈالیں۔

بچپن

پنجاب کے ایک شہر میں بزرگوں کے زیر سایہ مشن سکول میں تعلیم کی منزلیں طے کررہے ہیں۔غیر معمولی فہم وفراست بلند پیشانی سے نمایاں ہے۔ درسی کتابوں کے علاوہ مطالعہ کا شوق اور غوروفکر کی عادت بتارہی ہے کہ یہ باریک بین دماغ بہت سی لاینحل گتھیوں کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہے۔کھیل کود کی چھوٹی سی عمر میں مسجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کرنے کی عادت ہے۔مذہبی مجالس و ذکر اذکار میں جاجاکر شامل ہوتے ہیں۔سرپرست بزرگ زمانے کی روش کو دیکھتے ہوئے آپ کے ان شغلوں کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا تو نے

مسجد کا ملا بننا ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہونہار بچہ اپنی سکول کی تعلیم میں مصروف ومحور ہے ۔ کہیں یہ باتیں اس کی ترقی میں حائل نہ ہوجائیں مگر جب امتحان ہوتا ہے تو وہ مذہبی باتوں کا شوقین بچہ اپنی جماعت میں اوّل رہ کر ان کے دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے۔ مشن سکول کا پادری استاد تمام جماعت کے سامنے اسلام کی تعلیم پر اعتراض کرتا ہے اور سب لڑکے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتے ہیں ۔ ان میں مشہور علامہ اقبال بھی ہیں ۔ مگر مہر سکوت سب کے لبوں پر ہے کہ یکدم وہ اسلام کا غیور فرزند بشارت احمد اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے اور اپنی خداداد فراست سے ایسا جواب دیتا ہے کہ کہنہ مشق استاد دم بخود رہ جاتا ہے اور مسلمان لڑکے فخر سے گردنیں اونچی کر کے اپنے ساتھی پر نظر ڈالتے ہیں ۔ تاہم اس وقت کی اسلامی تعلیم جو ایک فرسودہ و من گھڑت روایات واجتہادات پر مبنی ہو کر رہ گئی تھی اس بلند تخیل دماغ کی پرواز کے لئے ناکافی تھی ۔ مسلمانوں کی کمزوریاں ونقائص کو محسوس کر کے یہ متلاشئی حق روح ہدایت کے لئے سرگرداں تھی کہ یکا یک اس صدی کے مجدد کی آواز اس کے کانوں پر پڑی گویا سوکھے دھانوں پر پانی پڑا اور اس سعید فطرت وجود کو قدرت کے ہاتھوں نے پکڑ کر وہ راستہ دکھایا جس کے لئے وہ حیران وسرگرداں تھے ۔ اس گوہر نایاب نے امامِ زماں کی تعلیم کو صدف کی طرح جذب کر کے ایسے چمکدار موتی پیدا کئے جن کو آئندہ نسلیں اپنے گلے کی زینت بنائیں گی ۔

جوانی

جس کو دیوانی کہتے ہیں شروع ہے ۔ ایک معزز سرکاری عہدے پر فائز ہیں ۔ معقول مشاہرہ پا رہے ہیں ۔ دنیا اپنی پوری دلفریبی سے سامنے جلوہ گر ہے ۔ مگر اس خوبصورت نوجوان افسر کے شغل کیا ہیں ۔ صبح کے وقت جوانی کی گہری میٹھی نیند سے بیدار ہو کر خدا کے حضور میں ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ۔ نماز سے فارغ ہو کر تسبیح ودرود میں مشغول ہیں ۔ روح کی غذا کے بعد جسم کی پرورش کے لئے ناشتہ تناول فرما کر اپنی سرکاری ڈیوٹی پر حاضر ہیں ۔ لوگوں کے جسمانی معالج ہیں ۔ خدا نے دست شفا بخشا ہے ۔ دُور ونزدیک شہرہ ہے ۔ مریضوں اور دکھیوں کا جمگھٹا لگا ہے ۔ امیر وخوش پوش لوگ امیدوار ہیں کہ یہ پہلے ہماری طرف توجہ کریں گے مگر وہ سب سے پہلے بوڑھے غریب مریضوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔ بوڑھی نادار عورتیں ''میرا بچہ'' کہہ کر مخاطب کرتی ہیں اور نہایت خندہ پیشانی سے سب سے پہلے ان کا کام کرتے ہیں اور اپنے اسسٹنٹ کو تاکید کرتے ہیں کہ ان غریب ومسکین مریضوں کو جلد فارغ کردو پھر امیروں کی باری آتی ہے ۔

آپریشن روم میں جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ مریض غریب ونادار ہے ۔ اپنے گھر کہلا بھیجتے ہیں کہ تھوڑا سا دودھ بھیج دو ، غریب مریضوں کی اپنی جیب سے مدد کرتے ہیں ۔

کاروبار دنیا سے فارغ ہو کر گھر آتے ہیں تو پھر مطالعہ کا شوق ہے یا تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے ۔ سرکاری احاطے سے پانچ وقت صدائے اللہ اکبر بلند ہو رہی ہے ۔ کلام پاک کی خوش الحان تلاوت راہ گیروں کو مسحور کر رہی ہے ۔ شام ہوئی شہر کے معززین نے سینما یا کلب کا رخ کیا مگر یہاں کیا ہو رہا ہے ۔ قرآن کریم کا درس شروع ہے ۔ معارف وحقائق کا دریا بہہ رہا ہے اور صبح کا یہ جسمانی مسیحا شام کے وقت اپنے ہم جنسوں کو روحانی زندگی کو پانے کے گُر بتا رہا ہے ۔

اس نیکی اور دینداری کو دیکھ کر عوام سید اور آل رسول کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو آپ فوراً فرماتے ہیں میں سید نہیں ہوں میں تو آل رسول کا خاکسار ہوں ۔ مگر لوگ اس انکار کو خاکساری پر محمول کرتے ہیں ۔ تنخواہ آتی ہے ۔ سب سے پہلے ایک معقول حصہ الگ کر کے خدا کی راہ میں بھیجدیا جاتا ہے ۔ کوئی رشتہ دار بزرگ سمجھاتے ہیں تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ۔ ان کے لئے بھی کچھ الگ جمع کرو جواب میں فرماتے ہیں ، ان کی فکر میرا مولا کرے گا ۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے ۔ اسی محنت سے پیدا کی ہوئی پاکیزہ کمائی پر گذارا ہے ۔ بعض وقت تنگی بھی آجاتی ہے مگر اللہ کی راہ میں تن من دھن سے فدا ہیں ۔ اپنے خاندان کی کشتی کے واحد ملاح ہیں ۔ یتیموں وبیواؤں کے ملجا وماویٰ ہیں ۔ ضرورت مجبور کر رہی ہے ۔ اور سنہری دیوتا سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے مگر ناجائز پیسے کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہی بزرگ کہتے ہیں یہ مذہبی مجنوں ہے، یہ روپیہ کمانے کے ڈھنگ نہیں جانتا۔ اس کو اپنے بال بچوں کا فکر نہیں ہے۔ مگر وہ مردِ مجاہد خاموش ہے۔

جہاں جہاں بسلسلہ ملازمت رہے وہاں کے لوگ بلا لحاظ مذہب وملت اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ مگران کے غیر مسلم افسر اس کے رویے کو پسند نہیں کرتے وہ چڑ جاتے ہیں کہ یہ جہاں جاتے ہیں مذہبی فضا پیدا کردیتے ہیں۔ ترقی میں روک بنتے ہیں مگر وہ مردِ مجاہد اس رکاوٹ کو ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دیتا اور استغنےٰ کی ایک ٹھوکر سے اپنا راستہ صاف کر لیتا ہے۔ مخلوق خدا کی بے لوث خدمت ان کا شیوہ ہے۔ اور خلق خدا کی دعائیں ان کی معاون ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میرا اللہ راضی رہے تو مجھے کسی کی ناراضگی کا خوف نہیں۔

بڑھاپا

پچپن سال کی عمر میں ریٹائر ہوتے ہیں۔ خوش ہیں کہ اب دین کی خدمت کے لئے زیادہ یکسوئی اور وقت ملے گا۔ ایک ریاست سے معقول ملازمت کی پیشکش ہوتی ہے۔ کوٹھی اور سواری کی لالچ بھی دی جاتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ تمام عمر جو کمایا خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ اور اب سر چھپانے کو ایک جھونپڑا بھی اپنا موجود نہیں۔ مگر اس مردِ مجاہد کی بقیہ زندگی کا نصب العین کیا ہے۔

عمر بگذشت نماند است جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنی شامے چند

انہوں نے اپنی زندگی کی شام کو خدا کی یاد میں بسر کر کے صبح کی روشنی سے بدل لیا۔ ان کا دماغ صداقت کی اشاعت اور باطل کی سرکوبی میں ایسے ایسے نادر نکات پیدا کرتا تھا کہ عقل انسانی ششدر رہ جاتی تھی۔ ان کے منہ سے حقیقت کے پھول برستے تھے اور ان کی تعلیم نے ہزاروں صفحات میں وہ موتی بکھیرے ہیں جن کی آب وتاب زمانے کی گردش سے ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

احمدی جماعت اپنے اس محسن کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس جماعت کا ہر فرد گواہ ہے کہ اس مردِ مجاہد کے دل میں احمدیت کے لئے کس قدر جوش، محبت اور غیرت موجود تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود اسلام کی معقولیت کو دوبارہ قائم کرنے آئے ہیں۔ وہ ہر نامعقول خیال اور حرکت سے بیزار تھے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ اختلاف سلسلہ سے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک عورت مع اپنے نو دس برس کے بچے کے آپ کی خدمت میں آئی، یہ عورت قادیان سے آئی تھی اور بوجہ پرانی عقیدت کے ملنے آگئی۔ آپ کی عادت تھی ہمیشہ بچوں سے محبت اور شفقت سے باتیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس عورت کے بچے سے بھی مخاطب ہو کر پوچھا کس جماعت میں پڑھتے ہو وہ کہنے لگا کہ چوتھی جماعت میں۔ آپ نے پوچھا کچھ یاد ہو تو سناؤ۔ وہ بچہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

"حضرت محمود خدا کے مقرر کردہ خلیفہ ہیں اور محمد علی بے ایمان ہے، چور ہے۔ قرآن چرا کر لے گیا وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے خوش وخرم چہرے پر ایک لحہ کے لئے ملال کے آثار نمودار ہوئے اور ایک آہ کے ساتھ فرمایا کہ یہ جماعت کس قدر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئی ہے۔ افسوس یہ مسیح موعود کے نام لیوا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جن کے پاس معقول دلائل ہوں، حق وصداقت ہو وہ ایسی گندی تدبیروں پر عمل نہیں کرتے۔ فرمانے لگے کہ ایک بار میں دُور کے ایک قصبہ میں گیا اور وہاں کے ایک سربرآوردہ شخص کے ہاں قیام کیا۔ جب بیت الخلا میں گیا تو وہاں قدمچوں کے اندر جہاں گندگی پڑتی ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے نام لکھے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں اس وقت باہر نکل آیا، اپنا سامان لے کر دوسری جگہ جا ٹھہرا اور مسلمان کہہ کر جو ایسی ناپاک حرکت کرتے ہیں ان کی دلی خیانت پر، بہت دیر تک استغفار پڑھتا رہا"۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مثیل مسیح تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی جماعت کا کثیر حصہ غلو میں گرفتار ہو کر آپ کی اصلی تعلیم سے الگ ہو جاتا۔ مگر آپؑ مسیح محمدی بھی تھے اس لئے خداوند کریم نے آپ کی تعلیم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نابود ہونے سے بچالیا۔ مسیح احمدی نے

کیا خوب فرمایا:

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمد جس پر میرا سب مدار

آخر عمر میں تو آپ کی زبان پر قریباً ہر وقت درود شریف رہتا تھا۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور قرآن کا عشق آپ کی ہر حرکت سے نمایاں نظر آتا تھا۔

حضرت مسیح موعود سے آپ کو کس قدر عقیدت تھی۔ اس کے لئے مجدد اعظم حصہ اوّل کی تمہید میں سے چند سطور ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں ''میرے پاس اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور احسان کا شکر کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں کہ باوجود میری خرابی صحت وضعف اور میری بے مائگی وکم علم کے اس سوانعمری کی تالیف کے اوقات میں جناب الٰہی نے محض اپنے فضل اور رحمت سے مجھے قوت اور روشنی بخشی یہاں تک کہ میں گھنٹوں لکھتا تھا اور تھکان بہت کم محسوس ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روحانیت کا ایک چمن ہے جس کے اندر میں گلگشت میں مصروف ہوں یا علم وحکمت کے موتی ہیں جنہیں میں لوٹ رہا ہوں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے قادیان کے اس نقشہ کو جو کبھی جیتا جاگتا بولتا چالتا پیش نظر ہوا کرتا تھا اس سوانح کے ذریعہ باطن کی آنکھ نے دوبارہ ایک روحانی فلم کی طرح سامنے سے گذرتا دیکھا۔ دل کی آنکھ نے ان مقدس بزرگوں کی پھر زیارت کی جو اس تحریک کے روح رواں تھے۔ ان کی علم ومعرفت سے پر باتیں دل کے کانوں نے پھر سنیں۔ خواب کی طرح اس فلم کے دیکھنے میں میں مصروف تھا جوڈراپ سین گرا اور مجھے پتہ لگا کہ وہ پیکر قدس پھر چلا گیا۔ جس کو میرے دل کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ اور جس کی توحید وحکمت کی باتیں میرے دل کے کان سن رہے تھے۔ یعنی کتاب ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کا وہ زخم جو حضرت اقدس کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر لگا تھا پھر ہرا ہو گیا اور بے اختیار ایک آہ کے ساتھ وہ شعر پھر زبان سے نکل گیا جو اکثر زبان حال سے پڑھتا رہتا ہوں کہ:

حیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

اہل انصاف پڑھیں اور سوچیں کہ مندرجہ بالا سطور کے لکھنے والے کے دل میں کس قسم کے خیالات بھرے پڑے ہیں اور اس کا قلب صافی کیسے پاک جذبات سے معمور ہے۔

آہ ۲۱ اپریل ۱۹۴۳ء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس راستباز بندے کو اپنے حضور بلا لیا۔ وہ شفیق اور پیارا باپ وہ دوستوں کا محبّ و رفیق وہ غریبوں اور بیکسوں کا سہارا، وہ جماعت کا محسن، وہ علم وفضل کا بحر بیکراں، وہ خدا کا مخلص و منکسر المزاج بندہ اپنے محبوب کی آواز پر لبیک کہہ کر اس کی رحمت کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے جا بیٹھا اور ہم یہ کہتے رہ گئے

حیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد

مبارک ہے وہ زندگی جو خالق کی عبادت مخلوق کی خدمت میں گذری اور قابل رشک ہے وہ موت جو خدا کی راہ میں آگئی۔ مولانا کریم کے بے شمار احسانات وانعامات کا شکر ادا کرتے ہوئے ہمارے دل اس کی رضا پر راضی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کیا کم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل ورحم سے ہمیں اس نیک ہستی اس صادق انسان کے فیض سے مستفید ہونے کی توفیق دی جو اپنے ''یار'' کی ہستی میں فنا ہو کر اس کے انوار کا مظہر بن گیا تھا اور ایسی نادر ہستیاں بہت کم عالم وجود میں آتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆☆

از: بیگم بشریٰ علوی صاحبہ

زندہ وجاوید ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب

وہ چال چل کہ عمر خوشی سے کٹے تری
وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں

میں اپنی تقریر کا آغاز اُن اشعار سے کر رہی ہوں جو ایک ''مردِ مومن'' ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے Visitor's Room میں خوبصورت قطعہ کی شکل میں آویزاں تھے۔ آپ کی زندگی کے بارے قریباً تمام وابستگانِ سلسلہ آگاہ ہیں اور بلا مبالغہ آپ اِن اشعار کی جیتی جاگتی تفسیر تھے یا اُن کی زندگی کا خلاصہ یہ اشعار تھے۔ یعنی:

وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں

میں نے شروع میں شاہ صاحب کیلئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ہے ''مرد مومن''! مردِ مومن کی نشانیاں کیا ہوتی ہیں! اِس کا دِل صاف اور پاک ہوتا ہے اور پاک اور صاف ہونے کے باعث نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔ حق کی تائید اور نصرت کیلئے اِس دِل میں ایک بے پناہ جذبہ موٴجزن ہوتا ہے اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اپنے سینہ میں ایک مردِ مومن کا دِل رکھتے تھے۔

جنت میں داخل ہونے والوں کیلئے ایک نشانی ترجمہ ''ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ ہی غم'' ہوا کرتی ہے اور یہ قلبی حالت شاہ صاحب پر اِسی دُنیا میں وارد تھی۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے اُسی قسم کے سلوک روا رکھتا ہے۔ جس قسم کی اُس بندے کی نیّت اور عادات ہوتی ہیں۔ چنانچہ جس متوکلانہ اور مومنانہ رنگ میں شاہ صاحب نے اپنے عزم کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی آپ کو بدلہ دیا۔ آپ دین میں بھی سرخرو ہوئے اور دنیاوی کاروبار میں بھی بڑی برکت اور ترقی دی۔

جہاد کسی بھی قسم کا ہو۔ قلم کا ہو۔ تلوار کا ہو یا مال کا ہو اِس کی توفیق صِرف اُسی شخص کو ملتی ہے۔ جو بے خوف دِل رکھتا ہوا اپنے مال کو قربان کرنے کی ہمت وہ دکھلا سکتا ہے۔ جو نڈر ہو۔ کسی جماعت میں مجاہدانہ رنگ پیدا کرنے کیلئے نڈر اور بے باک ہونا پہلی خصلت ہے۔ مردہ قوموں کی زندگی مجاہدانہ سپرٹ سے وابستہ ہے اور شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدانہ فطرت عطا فرمائی تھی۔

جس بات کو حق سمجھتے تھے۔ اُس کیلئے اپنا سب کچھ نثار کر دیتے تھے۔ یہ بلند مقام درحقیقت اس امانت کی ادائیگی تھی۔ جو حضرت مسیح موعودؑ نے شاہ صاحب مرحوم کے سپرد کی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر پر اپنی جانشینی کا منصب ایک انجمن کو دیا اور اُس کے چودہ ممبرز کو منتخب کرتے وقت لاہور کے چار ممبرز پر آپ کی نظر پڑی۔ یہ چار ممبر شیخ رحمت اللہ صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب تھے۔ اِن چاروں نے جس اخلاص سے حضرت صاحب کی امانت کا حق ادا کیا۔ اِس کی طرف اس الہام الٰہی میں اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔''

اِس امانت کی ادائیگی کی داستان بہت طویل ہے۔ مختصراً عرض کرتی ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے ایک مسجد بنواتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کیلئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ شاہ صاحب نے یکے بعد دیگرے تین مسجدیں بنوائیں۔ سب سے پہلی قادیان میں مسجد نور۔ اس کے بعد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں احمدیہ مسجد اور پھر مسلم ٹاؤن میں مسجدِ عائشہ۔ مسجد عائشہ کے ساتھ مسافروں کیلئے ایک کنواں بھی تعمیر کروایا۔ موٴذن کیلئے مکان بھی بنوایا اور ساتھ ہی آٹھ کنال زمین بھی ادارے کیلئے وقف کر دی۔

شاہ صاحب کی مزید خدمات کا ذکر کرنے سے پہلے وضاحت کرتی چلوں کہ ۱۹۱۴ء میں جماعت میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے جو پانچ ممبرز مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ لاہور تشریف لائے اُن میں سے ایک شاہ صاحب مرحوم تھے۔

اُس وقت جماعت کے پاس نہ تو روپیہ تھا اور نہ ہی رہائش کیلئے مکان! ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اپنا ایک ایک مکان انجمن کے حوالے کر کے احمدیہ انجمن لاہور کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

مولانا محمد علی صاحب شاہ صاحب کے مکان میں رہائش پذیر ہوئے تو شاہ صاحب نے بھی چند ماہ ساتھ والے کمرے میں قیام فرمایا۔ جس کا مقصد مولانا صاحب اور اُن کے مسوّدہ قرآن کی حفاظت کرنا تھا۔ کیونکہ اس سے پیشتر مسوّدہ قرآن کی چوری کی کوشش ہو چکی تھی۔ 1921ء میں وہ مکان جس میں حضرت امیر مرحوم رہائش پذیر تھے۔ انجمن کے نام رجسٹری کر دیا۔

بہاول پور کے علاقہ خان پور میں آپ نے کچھ زمین آبادکاری کی شرائط پر حاصل کیں تو اُس سے بھی ایک مربع زمین انجمن کے نام وقف کر دی۔ مسلم ٹاؤن والی زمین آپ نے خریدی تو 75 کنال کا ایک قطعہ احمدیہ بستی کیلئے مخصوص کر دیا۔ جن احباب جماعت کو وہ زمین دی گئی اُن کی عدم توجہی کی وجہ سے وہ خالصتاً احمدیہ بستی نہ بن سکی۔ جس کی شاہ صاحب مرحوم کو دِلی تڑپ تھی۔

احمدیہ انجمن کا وہ مکان جہاں ہال بنایا گیا ہے۔ 1938 میں انجمن کی سلور جوبلی کے موقع پر جماعت کے نام وصیّت کر دیا۔ بقول مولانا محمد علیؒ ”جب جوبلی کے موقع پر تحریک کی گئی تو شاہ صاحب نے 52 ہزار کی جائیداد انجمن کے سپرد کر کے قوم کو ایک ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اِس نمونہ کو دیکھ کر دوسرے احباب کا قدم بھی تیز ہو گیا ہے“

1937ء میں بھوپال میں آبادکاری پر زمین لی تو وہاں بھی پانچ ہزار ایکڑ انجمن کے نام لی۔ مگر آپ کی وفات اور تقسیم ہند کی وجہ سے حکومت نے تمام زمین بمعہ مکانات اور مویشیاں واپس لے لی۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے شاہ جمال لاہور میں 10 کنال زمین اپنی بیگم کے نام وقف کر دی کہ اس کی فروخت سے دولت بی بی احمدیہ ہال بنائیں گی مگر عمر نے وفا نہ کی۔ بعد میں انجمن نے اس کام کو پورا کیا اور اس کی فروخت سے 48 ہزار روپے حاصل ہوئے۔

شاہ صاحب نے اپنے دسترخوان اور مہمان نوازی میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنے آخری سفر لاہور میں آپ ہی کے مہمان رہے اور تمام عملہ کا خرچ اور مہمان نوازی آپ ہی کے ذمہ تھی۔ گھر میں ہر وقت کھانا تیار ہوتا تھا۔ کیونکہ جماعت کے بزرگ حضرت صاحب کی زیارت کیلئے آتے رہتے تھے۔

آپ کے گھر کا دسترخوان بھی ہمیشہ بہت وسیع رہا۔ آپ کے گھر میں آپ کا کنبہ بڑا مختصر تھا۔ 2 لڑکے تھے۔ جو اکثر باہر ہی رہتے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ لیکن آپ کے گھر میں دونوں وقت 50 سے اوپر افراد کھانا کھاتے تھے۔ اپنے گرد غریبوں، یتیموں اور عزیزوں کا جمگھٹا مستقل طور پر رہتا تھا۔ اور اپنے مسلم ٹاؤن کے مکان کے اردگرد ہر ایک کو زمین دے رکھی تھی اور مکان بھی بنوا دیے تھے۔ جو اب تک اُن کی ملکیت ہیں۔

ابتداء میں جبکہ احمدیہ بلڈنگس میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا۔ تمام احمدی حضرت جو لاہور آتے آپ ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ شاہ صاحب کے ایک مکان میں سڑک کی طرف ایک کمرہ ہوتا تھا۔ اِس میں بستر اور چارپائیاں موجود رہتیں۔ اور ایک ملازم بھی رہتا تھا۔ اِس کمرہ میں ہر احمدی کہلانے والا مہمان بغیر کسی معاوضہ کے ٹھہرا کرتا تھا۔ اور اکثر روزانہ 8 سے 10 مہمان وہاں موجود ہوتے تھے۔

1914ء میں جماعت میں اختلاف ہو جانے پر جب اِن بزرگوں نے قادیان چھوڑ کر یہاں الگ انجمن بنائی تو اِن کی حالت بے سروسامانی کی تھی اور شاہ صاحب کا گھر ہی اِن کا ٹھکانہ تھا۔ تمام خرچ اِس وقت شاہ صاحب کا ہوتا تھا جن کے معاون شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے روپیہ کے علاوہ جائیداد اور اپنا قیمتی وقت اتنا دیا جو کہ ایک جنونی آدمی ہی دے سکتا ہے۔ اشتہارات اور پمفلٹ بازی، اِن دنوں زوروں پر تھی اِس لئے گھر کے تمام ملازموں، عزیزوں اور متعلقہ احباب کو سیڑھیاں دے کر رات کو شہر میں اشتہارات لگانے اور تقسیم کرنے پر لگا دیا جاتا تھا۔

گرمیوں میں شاہ صاحب مری میں وقت گذارتے۔ جہاں اکثر مریض تپ دق میں مبتلا ہوتے۔ جن میں سے اکثریت مسلمانوں کی ہوتی تھی جب اِن بیماروں کو علاج کی غرض سے شملہ سینی ٹوریم میں بھیجا تو ہندو عملہ کے ناروا سلوک کی وجہ سے جلد واپس آ گئے۔ اس پر آپ کو خیال آیا کہ مسلمانوں کا اپنا سینی ٹوریم ہونا چاہئے۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے وہاں ایک معقول جگہ مِل گئی اور زمین رجسٹری کروالی۔ آپ کے بیٹے بشیر حسین شاہ صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ اُنہوں نے والد کو تجویز دی کہ میں زیرِ تعلیم ہوں! ابھی مستقبل کا پتہ نہیں۔ اِن حالات میں

ایسے کام کیلئے لوگ جائنٹ ادارے بناتے ہیں۔ کمپنیاں بناتے ہیں۔ آپ اکیلے یہ کام کیسے کر سکیں گے۔ شاہ صاحب نے مختصر سا جواب دیا کہ میرا بھی ایک ٹرسٹ ہے پوچھا! کس کے ساتھ؟

فرمایا: میرے مولا کے ساتھ۔

اور کہا کہ محمد حسین جب ایک ارادہ کرتا ہے تو وہ خدا کی مدد طلب کرتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے۔ تکمیل اُس کا خدا خود کر دیتا ہے۔ اِس کا ثبوت عیاں ہے کہ محمد حسین سالمی سینی ٹوریم پاکستان میں اپنی مثال آپ ہے۔

1933ء میں آپ کے بیٹے بشیر حسین شاہ صاحب انگلینڈ سے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کر کے لوٹے تو اُنہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ملازمت نہ کریں اور اس ادارہ یعنی سینی ٹوریم کو چلائیں تو شاہ صاحب نے صاف جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہسپتال میں نے صدقۂ جاریہ کیلئے بنایا ہے۔ میرا بیٹا اِس سے فائدہ نہیں اُٹھائے گا۔ سالمی سینی ٹوریم میں رہائشی مکان اور 25 کنال زمین بھی انجمن کے نام کر گئے جو آپ کی وفات کے بعد گورنمنٹ کو ہسپتال کی توسیع کیلئے دے دی گئی۔

شاہ صاحب کا اپنا بھی معمول تھا کہ اپنی ڈاکٹری پریکٹس سے جو فیس حاصل ہوتی گن کر تین حصّے کرتے اور ایک حصّہ اُسی وقت انجمن کے خزانہ میں جمع کروا دیتے۔ بعد میں بقایا دو حصوں میں سے بھی ضرورت کے وقت رقم انجمن کے خزانہ میں جمع کروا دیتے تھے۔ اکثر نادار مریضوں سے فیس نہ لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ فیس کیلئے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہئے۔ انسان کی خدمت کیلئے بیمار کا علاج کرنا چاہئے۔ کسی کو دُکھ دے کر فیس لی جائے تو وہ مفید ثابت نہیں ہوتی بلکہ تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ خدا کے خوف کے ساتھ بیمار کا علاج کرنے والا ڈاکٹر کبھی خسارہ میں نہیں رہتا۔ اکثر بیمار آپ سے مفت مشورہ لیتے تھے۔ صرف یہی نہیں۔ بعض کو تو دوائیاں تک مفت خرید کر دیتے تھے اور بعض بے کسوں کو گھر جا کر دیکھتے۔ دوائی اور سواری کا کرایہ دیتے اور کئی دفعہ بیمار کے گھر کی حالت دیکھ کر اس کی مالی مدد بھی کر دیا کرتے تھے۔

شاہ صاحب مرحوم کی طبیعت میں تبلیغ کا بے انتہا جنون تھا۔ جہاں کہیں اور جب بھی موقع ملتا فوراً تبلیغ شروع کر دیتے اپنے دفتر میں اپنے انگریز افسروں کو بھی دینِ حق کی دعوت دیتے رہتے اور اُنہیں اسلام کے کافی نزدیک لے آئے۔ وہ افسر اور اُن کی بیگمات آپ کی بہت عزت کرتے اور اکثر ''پیر پادری'' کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ سب سے اہم تبلیغ آپ نے اپنے طور پہ جرائم پیشہ سانسی قوم کو کی۔ جس سے کچا کھوہ اور کوٹ عادیاں کی تمام جرائم پیشہ آبادی مسلمان ہو گئی وہاں کے نمبردار کے بیٹے نے انجمن کے مبلغ کے طور پر بھی اپنی خدمات ادا کیں۔ اپنے آبائی گاؤں جاتے تو وہاں بھی تبلیغ جاری رکھتے۔ حتیٰ کہ اپنی برادری کے تمام ممبروں سے بیعت کروا کر جماعت میں شامل کیا۔

1918ء میں انگریز حکومت نے انجمن کو پیشکش کی کہ وہ نظر بند جو شیلے مسلمان نوجوان اِن کے حوالہ کرنا چاہتی ہے تا کہ اُن کا رجحانِ طبع بدل کر اُنہیں مبلغ بنایا جائے۔ اُن میں سے محمد اقبال شیدائی اور سید مصطفیٰ کمال دو سال تک شاہ صاحب کے گھر رہے۔ اور وہ شاہ صاحب کی اپنے والد کی طرح عزّت کرتے تھے۔

1924ء میں جب شاہ صاحب مری تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی ذاتی کوششوں سے وہاں احباب جماعت کو اکٹھا کیا اور جماعت بندی کی۔ آپ وہاں باقاعدگی سے جمعہ پڑھاتے اور مہینہ میں ایک بار مسافر خانہ کا ہال لے کر جلسہ بھی کرواتے۔ آپ نہایت خوش الحانی سے درِثمین پڑھتے۔ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت اور سلسلہ احمدیہ کے متعلق تقریر کرتے۔ اِن کے زیرِ اثر مری میں ایک خاصی بڑی جماعت بن گئی۔ جماعت کے انہی ممبران میں سے ایک صاحب ماسٹر محمد اسماعیل بھی تھے۔ جو شاہ صاحب کے ساتھ سب سے زیادہ رہے۔ اور آپ کی صحبت میں ماسٹر اسماعیل صاحب کا دینی رنگ اتنے اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا کہ اپنی وفات سے قبل مری میں جماعت کیلئے ایک نمایاں جگہ پر مسجد بنا گئے۔

غرض کہ شاہ صاحب زندہ رہے تو تبلیغ اسلام کیلئے۔ اور اسی کیلئے زندگی گذاری اور اسی دُھن میں وفات پائی۔

شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نہ صرف احمدیت کی شمع کے پروانے تھے اور اُس کیلئے اپنا مال اور وقت وقف کیا ہوا تھا بلکہ آپ دونوں اسلام اور مسلمانوں کی تمام قومی اور مذہبی تحریکوں میں پیش پیش تھے۔ آپ دونوں انجمن حمایت اسلام پر بھی کافی توجہ دیتے تھے اور کافی عرصہ تک اِس انجمن کی منتظمہ کے ممبر رہے اور کافی عرصہ تک اس کی پالیسی پر کنٹرول رکھا۔ بعد میں آپ دونوں کو احمدی ہونے کی بناء پر منتظمہ میں سے نکال دیا گیا۔

سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے شاہ صاحب کی ہمدردی مسلم لیگ کے

ساتھ تھی۔ اُس کی مدد بھی کی۔ مگر عملاً آپ کا کام ہمیشہ تبلیغ اسلام رہا۔

آپ کے حالات زندگی پڑھتے ہوئے میرے اندر خواہش ہوئی کہ آپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے جاؤں۔ جب میں شاہ جمال قبرستان کے قریب پہنچی تو میرا دل مزید عقیدت سے بھر گیا جب میں نے باہر یہ لکھا دیکھا۔ کہ ''قبرستان ! وقف کردہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ (مرحوم)

شاہ صاحب نے 26/اپریل 1939ء کو وفات پائی اور سنِ ھجری میں 5 ربیع الاوّل 1358ھ کا دِن تھا (عجیب اتفاق ہے کہ آج جب اُن کا ذکر ہو رہا ہے تو بھی 5۔ ربیع الاوّل ہے) آپ کی وفات پر ہندوستان کے ہر شہر سے تعزیتی خطوط آئے۔ چند مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں شاہ صاحب کی زندگی کا کوئی خاص واقعہ موجود ہے۔ پہلا انتخاب مولانا محمد علیؒ کی تحریر ہے

''لکھتے ہیں کہ بمشکل 3 ماہ ہوئے ہوں گے کہ مرزا ولی احمد بیگ صاحب کا خط آنے پر کہ وہ ہالینڈ میں ایک اسلامی مشن قائم کر چکے ہیں اور اُنہیں دو سال کیلئے -/200 روپے ماہوار چندہ کی ضرورت ہے۔ میں نے ایک دو دفعہ مسلم ٹاؤن مسجد میں شاہ صاحب اور دیگر دوستوں سے یہ ذکر کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ چند دوستوں کو تکلیف دوں کہ وہ اِس رقم کو تھوڑا تھوڑا بانٹ کر پورا کر دیں مگر اِس پیکر ایثار نے سوچنے کیلئے زیادہ وقت نہ لیا اور اگلے ہی دِن مغرب کی نماز کے بعد علیحدگی میں فرمایا کہ آپ کسی کو بھی نہ لکھیں۔ یہ رقم میں اکیلا ادا کرونگا۔ میرا نام ظاہر نہ کریں۔ میں نے سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا فضل کیا ہے اور اتنا مال دیا ہے وہ صِرف اس لئے! کہ اُس کے راستے میں خرچ کروں۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ میرے دِل میں میخ کی طرح گڑ گئے اور میری آنکھوں سے خوشی سے آنسو نکل آئے گو میں کھڑا تھا مگر میری روح آستانہ الٰہی پہ گری تھی کہ اے خدا تو نے اپنے اِس بندے کو کیسا پاکیزہ قلب عطا فرمایا ہے جس سے مال کی محبت بکلی نکال لی گئی ہے۔ کمالِ انسانی کے اِس بلند مقام پر پہنچا کر اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی طرف بلا لیا تو اس پر شکایت نہیں۔ صِرف اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔ پڑھتے ہوئے ہم اُس کے مزید فضلوں اور رحمتوں کے طلبگار رہیں۔

شاہ صاحب کی ایک اور خوبی جو نمایاں نظر آتی ہے وہ اُن کا اپنے گھر والوں میں اُسی جذبہ کا پیدا کرنا ہے جو خود اُن کے اندر موجود تھا۔ شاہ صاحب کی وفات کے تیسرے دِن خطبہ جمعہ میں ذکر کیا کہ ہالینڈ مشن کا سارا بوجھ شاہ صاحب مرحوم نے اُٹھایا ہوا تھا اور یہ فکر بھی ظاہر کی کہ آئندہ اِس کا کیا حشر ہوگا تو اگلے ہی دِن اُن کی بیگم صاحبہ اور بچوں کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ وہ شاہ صاحب کے وعدے کو پورا کریں گے اور 2 سال کیلئے -/200 روپے ماہوار کے اب وہ ذمہ دار ہونگے۔

یاد رہے کہ اِس سے پیشتر بھی برلن مسجد کی تعمیر کی اپیل پر آپ کی بیگم صاحبہ نے بغیر کسی تردّد کے اپنے 40 تولے کے کنگن اتار کر پیش کر دیے تھے۔

(2) ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب:

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے اخلاق نہایت بلند تھے جِس کی ایک جھلک میں نے بھی دیکھی اور اُس کا اثر تمام عمر میرے دِل پر رہا۔ میں جولائی 1929ء میں پشاور میں ہوتا تھا ایک مریضہ جسے باولے کتے کے کاٹنے سے مرض کا حملہ ہو گیا تھا دورانِ علاج مریضہ کا تھوک میری آنکھوں میں پڑ گیا اور مجھے حفاظتی ٹیکے لگوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس وقت ایسے ٹیکے صِرف مری میں لگا کرتے تھے۔ شاہ صاحب اُن دِنوں مری میں موجود تھے۔ میں نے اُنہیں تار دیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مری کے اڈہ پر پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب خود بمعہ چند عزیزوں کے میرے انتظار میں کھڑے ہیں۔ شاہ صاحب کا گھر اڈہ سے 4 میل کے فاصلہ پر تھا اور تمام راستہ چڑھائی کا تھا جو پیدل چلنا پڑتا تھا۔ میرے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ خود میرے لئے اِس قدر تکلیف گوارہ کریں گے۔

میں 14 دِن تک اُن کے ہاں مقیم رہا اِس دوران اُن کی بے تکلّف پاکیزہ گھریلو زندگی۔ اعلیٰ اخلاق، دینداری، مہمان نوازی اور جذبۂ اخوت و ہمدردی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ نہایت ہی بلند انسان تھے۔ میں اس مردِ مومن کی پاکیزہ صحبت میں گذرے 14 دنوں کو اپنی متاعِ عزیز جانتا ہوں۔

(3) روزنامہ انقلاب: 27/اپریل 1939ء

آپ کی وفات کی خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ آپ کی ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بسر ہوئی آپ اپنے دِل میں تبلیغ اسلام، مسلمانوں کی تعلیم اور اُن کی فلاح و بہبود کیلئے نہایت مخلصانہ تڑپ رکھتے تھے۔ آپ کا تعلق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ساتھ تھا۔ جن کو آپ نے بار ہا ہزاروں روپے کے عطیات دیے۔ آپ کے انتقال سے اِس جماعت کو خصوصاً اور مسلمانوں کو عموماً نہایت نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ آپ نے مسلم ٹاؤن کے نام سے ایک خالص اسلامی آبادی کی بنیاد رکھی۔ اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کا آپ کو

خاص شوق تھا اور اُن پر بے شمار روپیہ صرف کرتے تھے۔ یتامے اور بیواؤں کی امداد اور غرباء کی دستگیری شاہ صاحب کا خاص شیوہ تھا۔ مسلم ٹاؤن میں آپ نے اپنے خرچ سے مسلمان بچوں کیلئے یورپین لائینوں پر ایک سکول قائم کیا جو بے حد مفید ثابت ہو رہا ہے۔ غرض شاہ صاحب کی ساری زندگی اسلام کیلئے وقف تھی۔

(4) آمنہ تمیم صاحبہ جھنگ

سید محمد حسین شاہ صاحب کی زندگی ایک کامیاب زندگی تھی۔ جاہ ومنزلت۔ عزت و دولت غرض کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مالا مال نہ کیا ہو۔ وہ دین کے ایک سرفروش سپاہی تھے جو خدا اور اُس کے احکام کو ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں بھولتے تھے اُنہوں نے اپنے مال کو کبھی بھی اپنا مال نہیں ہمیشہ خدا کا مال سمجھا تھا۔ آپ کا سونا، بیٹھنا، اُٹھنا، جاگنا سب اللہ تعالیٰ کی رضا کا آئینہ دار تھا وہ جنتی تھے اور جنت کیلئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ لوگوں نے آپ کو جماعت کے ستون سے تعبیر کیا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ وہ جماعت کی اِن بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھے جن پر آج اتنی بڑی عمارت بلند کی گئی ہے۔ اِن کا ایثار قوم کیلئے نمونہ اور اُن کا عمل بہت سے کمزور دِلوں کی تقویت کا باعث تھا۔

سید عبدالمجید عاصم صاحب۔ کپورتھلہ

عاصم صاحب نے شاہ صاحب کو اُن کی جماعت کیلئے قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے خط لکھا تھا اُس کے جواب میں شاہ صاحب نے اُنہیں خط لکھا تھا

میں نے یہ تعزیتی خط شاہ صاحب کی تحریر کی وجہ سے شامل کیا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

جو ریمارکس آپ نے میرے متعلق تحریر فرمائے ہیں اُن کو پڑھ کر میں شرمندہ ہو گیا کاش! اللہ تعالیٰ مجھے قربانی کے اُس مقام پر پہنچا دے جہاں آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ جس قدر مال ومتاع اللہ تعالیٰ نے اُس کے سپرد کیا ہے وہ سب اُسی کی امانت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اُس کی راہ میں دینے کیلئے بخل کو کام میں لاوے۔ صحابہ کرامؓ نے سمجھ لیا تھا کہ مال و وطن تو کیا۔ اُن کی یہ زندگی بھی خدا کی امانت ہے اس لئے جب اُنہیں بلاوہ آتا وہ سب کچھ اُس کی راہ میں قربان کر دیتے۔ حضرت مجددِ زمان بھی اسی ایمان کو دوبارہ دنیا میں لانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں میں دنیا پرستی کا مرض حد درجہ اثر کر گیا ہے اِس لئے یہ وعدہ لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمیں اِس مقام پر پہنچا دے جہاں پہنچانے کیلئے مجددِ زماں نازل ہوئے تھے۔

(5) بغداد سے سید تصدق حسین قادری صاحب

آپ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کا وہ بیش بہا ایثار اور وہ بے نظیر قربانیاں جو اُنہوں نے اسلام کی حفاظت کیلئے اپنی زندگی میں کی ہیں وہ سلسلۂ احمدیہ کی تاریخ میں آئندہ نسلوں کیلئے شمع ہدایت کا کام دیں گی اور ہماری آئندہ نسلیں اِس پر فخر کریں گی۔ اِس ایثار اور قربانی کا نمونہ جو شاہ صاحب مرحوم نے دکھلایا ہے وہ صرف صحابہ کرامؓ میں ملتا ہے۔

اے باغِ احمدیت کے نوجوان رکھوالو! اے دینِ احمدؐ کے پھیلانے والو! محمد حسین کی زندگی میں تمہارے لئے بہت سے سبق پوشیدہ ہیں۔ اُس کی جانی، مالی اور قلمی قربانیاں اسے ابدی زندگی بخش رہی ہیں اس کی پاک روح تمہیں دعوتِ جہاد دے رہی ہے۔ اٹھو اور لبیک کہتے ہوئے اس کے چلے ہوئے راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ وہ اپنا حق ادا کر گیا اب تمہاری باری ہے

میں نے اپنی تقریر شاہ صاحب کے Living Room کے قطعہ سے شروع کی تھی اور اس کا اختتام شاہ صاحب کے ابدی Living Room یعنی قبر کے قطعہ سے کروں گی۔ یہ قطعہ اُن کے برادرِ عم نے فارسی میں تحریر کیا ہے۔ اُس کا ترجمہ بیان کروں گی۔

ترجمہ:" وہ سخاوت میں حاتم ثانی تھا۔ اگرچہ ثانی تھا لیکن لاثانی تھا اُس کی یادگار رسالی سینی ٹوریم نیز مسلم ٹاؤن کا بانی تھا۔ اس کا شیوہ سچائی اور سچ کو پسند کرنا تھا وہ جھوٹ کا جانی دشمن تھا۔ اُس کا پاک نام محمد اور حسین کا مرکب ہوا۔ خدا کے بندوں سے خدا سے نسبت رکھنے والا ایک مرد تھا۔ اے خدا اُس کی پاک روح پر تیری رحمت ہمیشہ ہو اور اُس کی قبر میں صبح اور شام روشنی رہے۔ (آمین)

☆☆☆☆

از: چوہدری عبدالحمید مرحوم (واعظ جامع راولپنڈی)

جب الحاج میاں فضل احمد مرحوم حرم کعبہ میں سجدہ ریز ہوئے

؎ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں۔

میاں فضل احمد کے ساتھ خاکسار نے عمداً الحاج کا لفظ لکھا ہے۔ آج کل حج کرنا سہل اور محفوظ ہوگیا ہے نیز سفر آسان ہوگیا ہے۔ ملک آزاد ہے۔ مسلمان تجارت میں آگئے ہیں اس لئے لوگوں کی آمدنی بڑھ گئی ہے چنانچہ اکثر صحت مند زادِ راہ رکھنے والے مسلمان حج کرآتے ہیں اور الحاج یا حاجی صاحب کہلاتے ہیں لیکن میں نے میاں فضل احمد مرحوم کے ساتھ عنوان میں اس لئے الحاج لکھا ہے کہ جس وفد کے ساتھ ایام حج میں آپ حج کو گئے اس میں ایک وزیر صاحب (چوہدری علی اکبر صاحب) بھی تھے آپ کے لئے حرم کا دروازہ کھولا گیا۔ اور آپ اس کے اندر داخل ہوئے اور رب کعبہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ آپ کے اس سعادت پر مجھے بہت رشک آیا اور میں نے عنوان میں ساتھ الحاج لکھ دیا۔

اس خوش قسمت انسان پر مجھے یہ بھی رشک آیا کہ آپ کے دادا مرحوم نے امام وقت کے ہاتھ پر بیعت کی اُن کی قبر قادیان بہشتی مقبرہ میں ہے سو یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

میاں فضل احمد مرحوم چنیوٹ ضلع جھنگ کی مشہور شیخ برادری کے چشم و چراغ تھے ان کے والد صاحب تین بھائی تھے حضرت شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب۔ جو ملک کے بڑے تاجر ہونے کے ساتھ نہایت متقی پرہیزگار اور شب بیدار نیز زبردست دعا گو شخص تھے اُن سے چھوٹے حضرت شیخ میاں محمد صاحب۔ وہ بھی اسی طرح نیک سیرت دینی امور اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اور جماعت احمدیہ لاہور کے عمائدین کی صف اوّل میں سے تھے اور یہی حال تیسرے بھائی میاں عطاء اللہ صاحب کا بھی تھا۔

یہ تینوں بھائی اپنی تجارت کے سلسلہ میں لاہور اور قصور آئے ہوئے تھے ان دنوں امام وقت کے دعاوی کا بہت چرچا تھا انہوں نے آپس میں صلاح کی کہ مرزا صاحب علیہ الرحمۃ کے بارے جگہ جگہ گفتگو چل رہی ہے کہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور دن بدن مقبولیت بڑھ رہی ہے ہم بھی چل کر دیکھیں تو سہی۔ قادیان پہنچ گئے پھر کیا تھا چہرہ دیکھ کر ہی اس قوت قدسیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیئے بیعت کرلی اور آپ کی نورانیت اور تقویٰ کا گھر جا کر اپنے والد ماجد صاحب کے پاس تذکرہ کیا تو وہ بھی امام وقت کی اطاعت میں آگئے اور وفات کے بعد قادیان بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق صادق تھے اور اشاعت اسلام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

1914ء میں جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے لڑکے مرزا محمود احمد کو جماعت کا سربراہ بنایا گیا اور مرزا محمود احمد صاحب نے یہ مہم چلائی کہ مرزا صاحب نبی ہیں اور جو نبی کو نہ مانے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے تو یہ تینوں بھائی بھی حضرت مولٰینا محمد علیؒ کا ساتھ دیتے ہوئے خلیفہ قادیان کی تنظیم سے الگ ہوگئے ان کا بھی یہی اعلان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر طرح کی نبوت بند ہے اور کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوسکتا چنانچہ حضرت مولوی محمد علی صاحب نے لاہور آکر اشاعت اسلام کیلئے تنظیم قائم کی تینوں بھائی اس کے ممبر ہوگئے اور دل و جان سے اشاعت اسلام کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا۔ آپ کے والد صاحب حضرت میاں محمد جو کہ بڑے باوقار اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے سلسلہ کے امور میں خوب دلچسپی لیتے جماعتی ذمہ داریوں کو بڑی عمدگی سے نبھاتے۔ آپ نے اپنے ذاتی خرچ پر ہالینڈ کے ملک میں اسلام کی اشاعت کے لئے تبلیغی مشن جاری کیا۔ مرحوم شیخ میاں فضل احمد صاحب بھی اپنے والد کے نقش قدم پر تھے خاکسار راقم نے اپنی آنکھوں سے امیر جماعت احمدیہ لاہور حضرت ڈاکٹر سعید احمد

مرحوم ومغفور اور حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید مرحوم ومغفور کے ساتھ کام کرتے دیکھا ہے۔ حضرت امیر خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے ساتھ ہر مشورے میں شامل ہوتے اُن کے ساتھ جماعت احمدیہ لاہور کی بیرونی ملکوں میں شاخوں کے دورے کیئے۔ اشاعت اسلام کے کام کو تندہی اور تیز تر کرنے کی تدابیر بتلا کر اُن پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے اور مشوروں میں شامل ہوتے۔ حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر اصغر حمید کے دور میں جماعت کی ترقی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ جماعتی اور دینی کُتب کی اشاعت اور ان کُتب کے مختلف زبانوں میں تراجم کو بہت اہمیت دیتے۔ عربی، اُردو اور پھر انگریزی میں ترجمہ کرنا ہوتا مترجم کی تلاش کر کے خود وہاں پہنچ کر درخواست کرتے کتاب کی پروف ریڈنگ کا بہت اہتمام فرماتے کہ غلطی نہ رہ جائے۔ قرآن شریف کی پروف ریڈنگ پر بہت سے احباب کو لگا دیتے اور پھر خود نگرانی فرماتے رہتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے۔

مرکز میں جلسوں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیرت امامؑ بڑے اہتمام سے کرواتے مختلف کاموں کو عمدگی سے تقسیم کرتے نظم وضبط قائم کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ خود اپنی تقریروں میں دلنواز انداز اور واقعات سے محفل کو گرماتے۔ غرضیکہ جماعتی نظام میں خصوصی دلچسپی لینا اُن کی صفت تھی۔

جہاں اللہ کی راہ میں ایثار فرماتے وہاں خدمت خلق میں بھی اُن کی پوری پوری شمولیت تھی سِل دق کے ملکی تنظیم کے سربراہ تھے۔ بے شمار لاچار دائم المریضوں کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج بھی فیصل آباد میں آپ کے والد صاحب کے نام سے ایک بڑا ہسپتال میاں محمد ٹرسٹ چل رہا ہے مریض اس ادارہ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے جوڑ اور سپیئر پارٹس آنکھوں کے لئے بینائی کے لئے بہترین بندوبست ہے۔

میاں فضل احمد صاحب مرحوم روٹری کلب کے ہیڈ تھے ہندوستان کے دورہ کی باتیں سُناتے کہ کیسے اُن کی سربراہی میں ہندوستان کا دورہ ہوا۔ جلسہ میں میاں فضل احمد صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں پنڈت نہرو نے تقریر میں آپ کے ہندوستان آنے کو سراہا اور بڑی تعریف کی ہے۔ وہ سنایا کرتے تھے حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار پر حاضری وہاں بڑے لوگوں کا آنا۔ برطانیہ کے پرنس کا آنا اور عظیم الشان دیگوں کا ذکر بڑی دلچسپی سے بیان فرماتے۔ قادیان گئے مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے کس طرح آپ کی عزت افزائی فرمائی اس کا ذکر کیا کرتے۔ میاں فضل احمد صاحب مرحوم ومغفور مردم شناس شخصیت تھے۔ ان کی مجلس میں غریب بھی ہوتے اور بڑے آدمی بھی اُن کی محفل میں ادیب اور شعراء بھی ہوتے شعروں کا بہت ذوق رکھتے تھے۔ علماء اور عمائدین سے مستفید ہوتے دارالسلام تشریف لانا آپ کا معمول تھا چند دوستوں کو بُلا کر مختلف امور پر گفتگو کرتے گذشتہ تاریخی واقعات کا تذکرہ رہتا کسی کی لیڈرشپ پر کسی شاعر کے اشعار پر تبصرے ہوتے رہتے خاکسار اور مرحوم میاں فضل احمد کی ہستی میں بعد المشرقین تھا لیکن ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدمی بھیج کر مجھے بلوا لیتے۔

مجھے پر مذاق انداز میں تفنن طبع کے طور پر ہمیشہ ''پیرومُرشد'' کہہ کر بُلاتے۔ سادگی لباس اور گفتار دونوں پہلوؤں میں تھی دوست کے دوست تھے ہر ایک سے محبت سے ملنا خیر خیریت دریافت کرنا اُسے اپنا بنا لینا اُنہیں خوب آتا تھا۔ اپنا ''بڑا پن'' کا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا شیخ میاں فاروق احمد صاحب کی بیماری کا سُنا تو بے حد متفکر ہوئے۔ بیمار احباب کی خیریت دریافت کرتے۔

واقعی اس نفسا نفسی کے دور میں جو سرمایہ دار خدا خوفی اور رضائے الٰہی کا طلبگار رہو گا وہ یقیناً مندرجہ بالا درجات میں سے کسی ایک درجہ کا حقدار ہو گا۔ افسوس یہ لوگ جا رہے ہیں۔ پچھلے دنوں میاں عبدالمنان عمر صاحب اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے ان سے قبل قاضی عبدالرشید ایڈووکیٹ سابق مبلغ جماعت احمدیہ لاہور اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور اللھم لبیک کہتے ہوئے کوچ کر گئے۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے کہ ان بزرگوار ہستیوں کی جگہ لینے کے لئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے خدمت اسلام کے جذبہ سے سرشار لوگ اس فیج اعواج کے زمانہ میں اپنے ایثار اور قربانی سے اسلام کی ترویج کے لئے آگے آئیں۔ آمین۔

☆☆☆☆

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

از محترمہ پروین چوہدری (ایم اے۔ بی ایڈ)

میری والدہ محترمہ شریفہ شبیر اسی مصرعے کے مصداق تھیں۔ غالب بھی کیا شاعری کر گئے ہیں ہمارے دلوں کی باتیں اپنے الفاظ کے روپ میں ڈھال گئے ہیں۔ میری والدہ محترمہ جو چوہدری شبیر احمد کی بیوی اور حافظ محمد بخش کی بہو تھیں۔ ان کے والد گاؤں کے نمبردار چوہدری نظام الدین تھے۔ صحیح معنوں میں ایک مدبر انسان فہم وفراست سے بھرپور انسان تھے۔ اتنے خلیق کہ اوکاڑہ شہر کے ہندو چاہے وہ دوکاندار ہوں یا بیوپاری ان کا قدم اپنی دوکان میں پڑنے کو باعث برکت سمجھتے تھے۔

میری والدہ دس بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان سے بڑے بھائی تھے۔ چوہدری بشیر احمد جن کی معاملہ فہمی باپ کی طرح تھی۔ ان کا زمیندارہ کا طریقہ خاص طور پر آلو کی فصل اور تمباکو کی افزائش امریکہ تک شہرت رکھتی تھی۔ جو ہر سال امریکہ سے کوئی نہ کوئی وفد ان کے پاس آیا کرتا تھا۔

مسز شریفہ شبیر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول اوکاڑہ کی مڈل پاس تھیں۔ اس زمانے میں سکول ابھی ہائی سٹینڈرڈ تک نہیں پہنچا تھا۔ کچھ سکول میں اساتذہ کی تربیت اور کچھ فطری رجحان باوجود سب سے بڑی اور لاڈلی ہونے کے وہ ہر ہنر میں طاق تھیں۔ خانہ داری میں ماہر، کیک اور گلاب جامن بنانے میں طاق اور دیگر مٹھائیاں ایسی ذائقہ دار بناتیں کہ آج تک ان کی مہارت تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ معاملہ فہمی اور فراست ان پر ختم تھی۔ میرے دادا جی حافظ محمد بخش جو نظام فیملی میں احمدیت کے بانی تھے۔ ان پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ فلم وغیرہ کے مخالف تھے کہ اس سے بے راہ روی پھیلتی ہے مگر باقی سب بہنیں اور کزنز امی جان کا سہارا لیتیں اور دادا جی ان کی فراست پر یقین رکھتے ہوئے فلم کی اجازت دے دیتے۔

میرے والد محترم چوہدری شبیر احمد کی ملازمت ریلوے گارڈ کی تھی اور لاہور میں رہائش تھی۔ یہاں ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے ہاں آنا جانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم ان کا بہت زیادہ خیال رکھتے۔ میرے ماموں اور چچا وغیرہ لاہور تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ اوکاڑہ سے نانا جی چوہدری نظام الدین ہر مہینے لاہور آتے تو لدے پھندے۔ دادا جی حافظ محمد بخش لاہور تشریف لاتے تو ڈھیر ساری برکتیں لاتے اور مولانا محمد علیؒ سے ملاقات ہوتی تو ابا جی وغیرہ کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ ابا جی نے کچھ عرصہ مولانا صاحب کے ساتھ کام کیا تھا جب وہ تفسیر لکھ رہے تھے۔

قناعت اور صبر میں پورے خاندان میں مثال تھیں۔ کسی بھی رنج وغم کی کیفیت ہو۔ میری والدہ صبر کا پہاڑ بن جاتیں۔ میری تیسرے نمبر کی بہن قدسیہ اختر دل کی مریض تھیں۔ مگر صحت مند تھیں۔ ان کی شادی کی تاریخ طے تھی۔ گھر میں چاول اور مصالحے صاف ہو رہے تھے کہ وہ اچانک بیمار ہوگئیں۔ تکلیف بڑھ گئی۔ ان کے دل کے چاروں والوز میں سے ایک نہیں تھا۔ میرے بھائی ریاض کے اپنے یونائیٹڈ مسلم ہسپتال میں داخل کی گئیں۔ مرض کشاں کشاں موت کی دہلیز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میری والدہ بارہ دن اسے ایک ایک پل موت کی طرف بڑھتا دیکھتی رہیں۔ نہ منہ سے دعا ختم ہوئی نہ آنکھ جھپکی۔ آخر بیٹی کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ کر خدا کے سامنے جھک گئیں۔ ہم سب کو صبر کی تلقین کرتی رہیں۔ روتیں تو ضرور مگر آنسو خاموشی سے بہتے کہ سسکی تک کی آواز نہ آتی۔ اسی طرح میرے والد کی وفات پر بھی انہیں اسی صبر کا مظاہرہ کرتے دیکھا۔

میری شدید بیماری میں میری نیند ختم ہوگئی تھی۔ دن تو گذر جاتا مگر رات کو شدید تکلیف میں میں بلند آواز میں خدا سے استغفار کرتی تو صبح ہوتے مجھے

ناراض ہوتیں کہ رات کو اتنی اونچی آواز میں کیوں بولتی ہو تم میں صبر نہیں ہے۔ میرا جواب ہوتا کہ ماں میں تو خدا سے معافی مانگتی ہوں۔ پھر بھی ایک تلقین ہوتی کہ تمہارا صبر ہی خدا کے ہاں معافی ہوگی۔ صبر کرنے کی عادت ڈالو۔

ہم نے ساری عمر اپنے ماں باپ کو کبھی جھگڑتے ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ میری خالائیں اکثر کہا کرتیں کہ ہمیں حسرت ہے کہ کبھی آپا اور بھائی بھی آپس میں ناراض ہوں تو میرے والد کا جواب ہوتا کہ تمہاری آپا مجھے کبھی ناراض ہونے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ والد پر حسن ظن کی انتہاء تھی۔ ہمیشہ خوش گمان رہتیں۔ زمینداروں کو فصلوں میں اکثر ناگہانی آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر میرے والد کی طرح ہمیشہ یہی اظہار کرتیں کہ یقیناً خدا کی مرضی کچھ اور ہے۔ آج نہیں تو کل کی فصل یقیناً بہت بہتر ہوگی۔ ایک دفعہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر عبد السلام کے پاس دوا کی غرض سے گئیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ بہن جی! چوہدری صاحب کے متعلق بتائیں۔ بات پوری ہونے سے پہلے ہی بے اختیار کہہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب وہ تو فرشتہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی بے اختیار واہ کہہ بیٹھے کہ جو بیوی اپنے خاوند کو فرشتہ کہے تو اس کے فرشتہ اور مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔

میری والدہ حقیقت میں مومن عورت تھیں۔ زندگی میں کبھی کسی کے متعلق بدگمانی نہیں کی۔ کسی کو غلط مشورہ نہیں دیا۔ سب بہنوں کے لئے ایک منصف کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انہیں والدین کی طرف سے ایک پلاٹ بھی ملا ہوا تھا۔ جو کہ گاؤں کے وسطی چوک میں تھا اور اس پر ایک مکمل گھر بنا ہوا تھا۔ خود بھی بہت کشادہ گھر میں رہتی تھیں۔ اس لئے اس گھر کو برائے نام یعنی صرف 50 پچاس روپے ماہانہ کرایہ پر دیا ہوا تھا۔ میرے والد کی وفات کے بعد انہوں نے گھر پر قبضہ کرلیا۔ اور الٹا میری ماں پر مقدمہ کر دیا کہ یہ ہمارے گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جبکہ چوہدری صاحب نے یہ گھر بیس ہزار میں روپے میں فروخت کر دیا تھا۔ نو سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ میرا چھوٹا بھائی فیاض احمد اس کی پیروی کیا کرتا تھا۔ ہر پیشی پر اس حوصلہ دیتیں کہ مقدمہ لمبا تو ضرور ہوگیا ہے مگر حوصلہ رکھو خدا بے انصافی نہیں کرتا۔ ہمیشہ حق دار کو اس کا حق دیتا ہے۔ آخر کار مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا۔ بھائی خوشی خوشی گھر آیا اور بے اختیار ماں کو پیار کرنے لگا۔ اور کہا کہ امی آپ بہت سچ کہتی تھیں۔ جج صاحب نے فیصلہ سناتے ہوئے جو باتیں کہیں وہ بالکل آپ کے جیسی تھیں۔ میرا ایمان اور پکا ہوگیا کہ میری ماں بہت سچ بات کہتی ہیں۔ فوراً سجدے میں گر گئیں اور خدا کا شکر ادا کیا۔

آخری عمر میں کچھ دیر سے نسیاں کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ ایک بات تو کئی کئی بار دہراتیں۔ نماز پڑھ کر بھول جاتیں اور دوبارہ پڑھنے لگتیں۔ علی الصبح اٹھ کر کمرے سے باہر برآمدے میں بیٹھ جاتیں۔ میں چائے کا کپ پکڑاتی تو شروع ہو جاتیں کہ پروین دیکھ انار کی کلیوں کا رنگ کتنا خوبصورت ہے۔ ایک انار سو بیمار۔ صحن میں بڑا سا انار کا درخت تھا۔ خود اپنے ہاتھ سے انار توڑتیں اور ہر آنے جانے والوں کو پیش کرتیں۔ ناشتہ کر کے بھول جاتیں اور کہتیں کہ مجھے مدت ہوگئی کبھی ناشتہ نہیں کیا۔ اپنی چھوٹی پوتی رباب سے بے پناہ پیار تھا۔ دن میں جب بھی کوئی پھل کھاتیں، روٹی کھاتیں یا کوئی مٹھائی ہو آدھی کھا کر باقی ہاتھ میں دبا لیتیں اور جب رباب آتی تو گود میں بٹھا کر اسے کھلاتیں۔ 2010ء کے جلسہ میں شرکت کی۔ ہر روز میرے سٹال پر میرے ساتھ بیٹھتیں۔ حضرت امیر ایدہ اللہ سے تقریباً روزانہ ملاقات ہوتی۔ میں جو بھی کھانے کی چیز دیتی کچھ کھا لیتیں باقی آس پاس بیٹھے کو تقسیم کرتیں اور کچھ حصہ اپنی پوتی کے لئے دبا کر رکھ لیتیں۔ میری ماں حقیقتاً گھنا سایہ دار درخت تھیں۔ جن کی کمی اب کڑی دھوپ میں بہت محسوس ہوتی ہے۔ خدا ان پر رحمت کرے اور مومنوں کی صف میں شامل کرے آمین۔ ثم آمین۔ ان کی جدائی بہت شاق گزرتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ:

مقدور ہو خاک سے پوچھوں کہ اے لعین
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

☆☆☆☆

انتخاب ملفوظات حضرت مسیح موعود رحمۃ اللہ علیہ

قربِ خداوندی

ترتیب: قاری غلام رسول

ہماری غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں کو اس خدا کی طرف رہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ سنی سنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات اور اپنے وجود کو پیش کر کے دنیا کو خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی سی بات ہے خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر کوئی قدم اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ اس کی طرف آتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک معزز آدمی کا منظور نظر عزیز اور واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا اپنے اندر ان نشانات میں سے کچھ بھی حصہ نہ لے گا جو خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور بے انتہاء طاقتوں کا نمونہ ہوں۔ (ملفوظات جلد اوّل ص 212)

خدا کی عظمت وجلالت

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو خدا تعالیٰ کی عظمت ایسی ہو کہ اس کی نظیر نہ ہو۔۔۔۔ جو اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی مئوید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں۔۔۔۔ یاد رکھو کہ کوئی جسمانی بات کہ جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہوسکتی جیسا کہ خدا تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسی ہی تمہارے رکوع وسجود بھی نہیں پہنچتے جب تک ان کے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کو جو چاہتا ہے خدا ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہیں جاسکتا جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کرسکتا۔ گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کے لئے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دے گا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنا ہوتی ہے پر مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک ساری تمناؤں پر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مقدم نہ کرے۔

(ملفوظات جلد پنجم ص 487)

خدا تعالیٰ کی رضا

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔۔۔۔ دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض۔ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں اگر اولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجب ابتلاء ہو جاتی ہے بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پا یہ زنجیر تھا اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیے اس کی خاطر داری کرنی چاہیے۔ اس کی دل جوئی کرنی چاہیے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 419)

خدا کی دوستی اور مقام توکل

حضرت مسیح موعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا کہ وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے جن میں سے ایک طاعون بھی ہے۔ سو تم خدا سے

صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دور رکھے۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو سو تمہاری عقل مندی اس میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں ہے۔ مگر ان پر بھروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکھے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے۔ (کشتی نوح)

اتحاد و اتفاق اور درگذر

حضرت مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں ''تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع رکھو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجود واحد رکھو ورنہ ہوا نکل جائے گی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لئے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خبر دوسرے میں سرایت کرے گی اگر اختلاف ہو اتحاد نہ ہو تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کے لئے غائبانہ دعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے اگر انسان کی دعا قبول نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہی ہوتی ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں اوّل خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوئی تھی (یاد کرو تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی) یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل ص 336)

میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنائی جاوے۔

(ملفوظات جلد پنجم ص 69)

انسان صفاتِ خداوندی کا مظہر

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

''انسان کے ایمان کا بھی کمال یہی ہے کہ تخلق باخلاق اللہ کرے یعنی جو جو اخلاق فاضلہ خدا تعالیٰ میں ہیں اور صفات ہیں ان کی حتی المقدور اتباع کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً خدا تعالیٰ میں عفو ہے انسان بھی عفو کرے۔ رحم ہے، حلم، کرم ہے۔ انسان بھی رحم کرے، حلم کرے۔ لوگوں سے کرم کرے۔ خدا تعالیٰ ستار ہے انسان کو بھی ستاری کی شان سے حصہ لینا چاہیے اور اپنے بھائیوں کے عیوب اور معاصی کی پردہ پوشی کرنی چاہیے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی میں کوئی بدی یا نقص دیکھتے ہیں جب تک اس کی اچھی طرح سے تشہیر نہ کر لیں ان کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ حدیث میں یہ آیا ہے جو اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے شوخ نہ ہو، بے حیائی نہ کرے، مخلوق سے بدسلوکی نہ کرے، محبت اور نیکی سے پیش آوے۔

(ملفوظات جلد پنجم ص 609)

محبت باہمی

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسیات پر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا کہ تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں تم اگر چاہتے ہو

کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ سو اس کا مجھ میں کوئی حصہ نہیں۔ (کشتی نوح)

اصلاح میں تدریج

حضرت امام الزمان علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ''اصلاح ہمیشہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے بعض لوگ جلد باز ہیں جو نکتہ چینی پر جلدی کرتے ہیں۔ اخلاق اور ثبات قدم خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے اور اس سلسلہ میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے داخلہ کے فضل کی توفیق پائی اور ثبات قدم اور اخلاق کی توفیق کے حاصل کرنے کے واسطے ہنوز وہ منتظر ہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی حالت کو دیکھے کیا وہ جس دن اس سلسلہ میں داخل ہوا اس دن اس کی حالت وہ تھی جو آج اس کی ہے۔ ہر ایک آدمی رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ اور کمزوریاں آہستہ آہستہ دور ہو جاتی ہیں۔ گھبرانا نہیں چاہیے اور اصلاح کے واسطے کوشش کرنی چاہیے۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 243)

دیانت وتقویٰ

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ''خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنی قویٰ اور اعضاء ہیں جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محل ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اسی کے مقابل پر حقوق العباد کا بھی خیال رکھنا یہ وہ طریق ہے جو انسان کی تمام روحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن میں تقویٰ کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے چنانچہ لباس التقویٰ قرآن شریف کا لفظ ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی خوبصورتی اور روحانی زینت تقویٰ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی ان کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تا مقدور کاربند ہو جائے۔

(براہین احمدیہ جلد پنجم)

توبہ واستغفار

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:

''یہ بھی یاد رکھو کہ خدا کی نظر جذر قلب تک پہنچتی ہے پس وہ زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا زبان سے کلمہ پڑھنا یا استغفار کرنا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جب وہ دل و جان سے کلمہ یا استغفار نہ پڑھے۔ بعض لوگ زبان سے استغفر اللہ کرتے جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی خلوص دل سے چاہی جائے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کا عہد باندھا جائے اور ساتھ ہی اس کے فضل و امداد کی درخواست کی جائے اگر اس حقیقت کے ساتھ استغفار نہیں ہے تو وہ استغفار کسی کام کا نہیں ہے۔ انسان کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ عذاب آنے سے پہلے اس کے حضور میں جھک جائے اور اس کا امن مانگتا رہے۔ عذاب آنے پر گڑگڑانا اور وقتاً فوقتاً پکارنا تو سب قوموں میں یکساں ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ خدا کا عذاب چاروں طرف سے محاصرہ کیے ہوئے ہو۔ ایک عیسائی ایک آریہ ایک چوہڑا بھی اس وقت پکار اٹھتا ہے کہ اس سے ہمیں بچاؤ۔ اگر مومن بھی ایسا کرے تو پھر اس میں اور غیروں میں فرق کیا ہوا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ عذاب آنے سے قبل خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان لا کر خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے۔ اس نکتہ کو خوب یاد رکھو کہ مومن وہی ہے جو عذاب آنے سے پہلے کلام الٰہی پر یقین کر کے عذاب کو وارد سمجھے اور اپنے بچاؤ کے لئے دعا کرے۔ دیکھو ایک آدمی جو توبہ کرتا ہے دعا میں لگا رہتا ہے تو وہ صرف اپنے پر نہیں بلکہ اپنے بچوں پر اپنے قریبیوں پر رحم کرتا ہے کہ وہ سب ایک کے لئے بچائے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی جو غفلت کرتا ہے تو وہ نہ صرف اپنے لئے برا کرتا ہے بلکہ اپنے تمام کنبے کا بدخواہ ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 271)

از: وقاص احمد

ایک درخشندہ ستارہ

مرحومہ حامدہ رحمٰن

تمہیں مردہ کہوں کیونکر کہ تم زندوں میں زندہ ہو

تمہاری نیکیاں زندہ ۔تمہاری خوبیاں باقی

اللہ تعالیٰ پر توکل محترمہ کے کردار کی نمایاں خصوصیت تھی۔ان کو اس بات پر بھی ایمان کامل تھا کہ دنیا کی زندگی چندروزہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور ابدی بھی۔مرکزی انجمن اور تنظیم خواتین کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ انجمن کا ماہانہ چندہ باقاعدگی سے ادا کرتی تھیں جس کی تاکید دس شرائط بیعت میں کی گئی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدہ کو ''دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گی'' کو خوب نبھایا۔نیکی اور انسانی خدمت کے یہ کام اس جذبہ اور یقین کے ساتھ کرتی تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کو قرضہ حسنہ دو تو وہ اس کا اجر کئی گنا دے گا۔

ساری زندگی ان کا معمول رہا کہ جب بھی حضرت امیر قوم کی طرف سے سالانہ جلسہ یا دیگر مواقع پر اپیل ہوتی تو ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ سب سے پہلے اس اپیل کے جواب میں عطیہ دیں۔

ان کے حسن سلوک کا ایک رنگ یہ بھی تھا کہ جماعت کے ممبران اور عزیز و اقارب میں کوئی تفریق نہ رکھتی تھیں۔جو بھی ان کے گھر میں آیا ان کی خاطر تواضع اور شفقت میں یکساں جوش و جذبہ نظر آتا۔

اپنے محترم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی بہن کی وفات کے بعد ان کے بچوں کی بہترین پرورش اور تربیت کی اور ان کی شادی بھی اپنے گھر سے کی اور کبھی بھی لوگوں کو محسوس نہ ہوا کہ انہوں نے اپنی بیٹی صبیحہ اور دوسرے بچوں میں تفریق کی ہو۔

نبی کریم صلعم کے فرمان کے مطابق جمعہ میں نہ صرف باقاعدگی سے شامل ہوتیں بلکہ فرشتوں کی کتاب میں پہلے نام لکھوانے کی خاطر اگلی صف میں نماز کی ادائیگی بھی نہایت خشوع وخضوع سے کرتیں۔

جماعت کے تمام مواقع چاہے وہ تربیتی کورس ہو، یوم وصال ہو، یوم میلاد النبیؐ ہو یا جشن آزادی کا موقع ہو۔ہر موقع پر وہ جوش و جذبہ سے شریک ہوتیں تھیں۔جشن آزادی یعنی ۱۴ اگست کے موقع پر چھوٹے بچوں کے ساتھ شدید گرمی کے باوجود وہ تمام وقت وہاں موجود رہتیں۔شاید لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ محترمہ میں جذبہ حب الوطنی کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب پاکستان بننے سے پہلے لاہور کے سیکرٹریٹ پر پاکستان کا قومی پرچم خواتین نے لہرایا اور محترمہ ان جواں ہمت خواتین میں سے ایک تھیں جب فاطمہ صغریٰ نے پرچم لہرایا تھا تو وہ یہ واقعہ نہایت جوش سے سنایا کرتی تھیں کہ کس طرح سب لڑکیوں نے اپنے برقعے اتار کر سیکرٹریٹ کی باڑوں پر ڈالے جن کی وجہ سے ان کانٹے دار تاروں کو پار کرنا ممکن ہوا اور پھر بعد میں اسی عمارت کے اندر بھی داخل ہوئیں۔

قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتیں ۔وہ نہ صرف خود نیکی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس کی ترغیب دیتی تھیں ۔اگر کوئی اچھا کام کرتا تو کھلے دل سے اس کی تعریف کرتیں ۔آپ نہایت خوش لباس بھی تھیں اور ان کو ہر لباس اچھا بھی لگتا تھا۔وہ مومن خاتون اپنے آخری لباس میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھیں اور روایتی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر تھی لیکن وہ نیک، پارسا اور انتہائی شفیق خاتون ہم سے رخصت ہو کر مورخہ 4 اپریل 2006ء کو اپنے مولائے حقیقی کے پاس چلی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحومہ کو اپنے ہاں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔اور انہیں اپنی مثالی والدہ کی نیک روایات کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

درس قرآن ۔۱۲

نصیراحمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں“ (البقرہ ۲۰:۳)

پچھلے درس میں میں نے اللہ تعالیٰ کے اپنے آپ کو پردہ غیب میں رکھنے اور ایمان بالغیب کی حکمتوں پر کچھ عرض کیا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ان حکمتوں کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل ہے اس لئے انسان خدا کو بھول جاتا ہے۔ خدا کی یاد دل میں تازہ رکھنے کے لئے نماز ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آگے سورۃ طٰہٰ ۲۰ میں آتا ہے ”یعنی نماز کو قائم کر مجھے یاد کرنے یا یاد رکھنے کے لئے“۔

اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کے لئے چند بنیادی باتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ ہر جگہ ہے، نہ کہ صرف مسجد میں یا مندر میں یا گرجا میں یا آسمان پہ۔ اسی لئے قرآن فرماتا ہے ”یعنی جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے“۔ اس لئے نماز ہر جگہ ہوسکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ نماز خصوصاً فرض نماز باجماعت افضل اور بابرکت ہوتی ہے۔ اسی لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک مقررہ جگہ پر لوگ جمع ہو کر حضور باری تعالیٰ کے آگے عرض و نیاز کریں۔ مگر نماز کی جماعت ضرورت پڑنے پر کہیں بھی ہوسکتی ہے۔ اور اگر جماعت نہ میسر ہو تو نماز اکیلے بھی ہوسکتی ہے۔ گھر میں، میدان میں، سواری کی یا سفر کی حالت میں، بلکہ کھڑے ہو کر ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر یا لیٹ کر اشاروں سے، یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی نماز ہوسکتی ہے۔ الغرض نماز پہلے تو انسان کو یہ یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہر جگہ ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا ورنہ انسان کی حفاظت اور مدد اور مشکل کشائی کیسے ہوسکتی؟ وہ خدا ہی کیا جو کہیں محدود ہے ایک بت کی شکل میں یا ایک انسان کی شکل میں؟

پھر وہ خدا ہی کیا جو ہر آن اپنی مخلوق کو خصوصاً جہاں تک ہمارا تعلق ہے انسان کو ہر آن دیکھتا نہ ہوتا کہ اس کی حفاظت فرمائے، اس کی ربوبیت فرمائے، اس کی مدد کو آئے۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ خدا کی ہر مخلوق پر اس کی ہر آن نگاہ ہو ربوبیت کے لئے، خصوصاً انسان پر جو خدا کا خلیفہ ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنے فرائض کیسے پورا کر رہا ہے اور کیا عمل کر رہا ہے کیونکہ جیسا کہ میں مالک یوم الدین کی تفسیر میں بتا آیا ہوں کہ عمل کا (خواہ وہ نیک ہو یا بد) نتیجہ فوراً مترتب ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی بات کو سن رہا ہو۔ اوّل تو یوں کہ انسان نہ صرف اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہے بلکہ اپنے قول کے لئے بھی۔ دوئم یوں کہ انسان اگر جناب باری میں کچھ عرض کرنا چاہے تو اس کی شنوائی ہو نہ کہ وہ نعوذ باللہ ایک بت یا مرے ہوئے انسان کی طرح ہو جو کبھی کتنا بھی خدائی صفات کا مظہر ہو وہ اب نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بالآخر یہ بھی نہایت ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے سینہ کے رازوں سے واقف ہو ورنہ انسان دوسرے انسانوں سے اپنے سینہ کے رازوں کو چھپا کر بہت کچھ دھوکا دیتا اور نقصان پہنچا جاتا ہے۔ پھر تمام اعمال کی اچھائی یا برائی اس نیت پر مبنی ہوتی جس سے وہ کئے جائیں اور نیت سینہ میں مخفی ہوتی ہے۔ ایک قاتل بھی گلا کاٹتا ہے، ایک سرجن بھی، مگر چونکہ دونوں کی نیتوں میں آسمان، زمین کا فرق ہے اس لئے قاتل کو پھانسی دی جاتی ہے مگر سرجن کو فیس کے علاوہ شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا آپریشن تقدیر کے ہاتھوں کامیاب نہ رہا ہو۔ جس خدا نے انسان کا باطن جو سینہ کے اندر ہے بنایا ہے وہ اس سے کیسے ناواقف ہوسکتا تھا؟

ان تمام باتوں کو قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی صفات ”سننے والا“، ”دیکھنے والا“، ”سینوں کی باتوں کو جاننے والا“ کو بار بار دوہرا کر واضح کرتا ہے، اور نماز اللہ تعالیٰ

کی ان صفات کو یاد دلاتی اور ان پر ایمان کو قائم کرتی ہے کیونکہ نماز میں ہم اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے کھڑے ہوتے، رکوع کرتے اور سجدہ میں جاتے ہیں اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر نماز کا کچھ حصہ بآوازِ بلند ہوتا ہے تو اکثر حصہ خاموشی سے دل میں کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی بات کو سنتا اور اس کے سینہ کی باتوں کو جانتا ہے۔ نماز ہر روز دن میں کم سے کم پانچ دفعہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کو یاد دلاتی اور اس پر ایمان کو تازہ کرتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور انسان کا کیا گہرا ہر آن کا تعلق ہے اس کو بھی یاد دلاتی اور اس پر ایمان کو قائم کرتی ہے، گویا نماز پردہ غیب کو اٹھاتی ہے اسی لئے ایمان بالغیب کے معا بعد یقیمون الصلوۃ کا ذکر فرمایا۔

یاد رہے کہ قرآن حکیم میں ہمیشہ نماز کو قائم کرنے کا حکم آتا ہے، نماز پڑھنے کا نہیں آتا۔ ایک جگہ جہاں نماز پڑھنے کا ذکر آتا ہے تو وہ بطور مذمت کے ''افسوس ہے نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز سے غافل ہیں وہ دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات (یا نیکی کے کاموں سے) روکتے ہیں'' (الماعون ۱۰۷: ۴تا ۷)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ نماز تو پڑھتے ہیں مگر اس کی حقیقت یعنی روح سے غافل ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی نماز محض دکھاوا ہوتا ہے نہ کہ دل سے، جس دل میں بجائے خدا کے دولت کا بت بستا ہے۔ اسی لئے وہ خیرات سے روکتے ہیں اور ان کے دلوں میں مخلوق خدا سے ہمدردی یا رحم نہیں پیدا ہوتا۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا جس نماز کا ذکر بطور تعریف کے بار ہا قرآن حکیم میں آیا ہے وہ وہ نماز ہے جس کو قائم کیا جاتا ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں (اور وہ ہم سب کا تجربہ ہے) کہ شروع شروع میں جب انسان نماز پڑھتا ہے تو شیطان انسان کی توجہ کو ہر ممکن طریقہ سے بجائے خدا کی طرف قائم ہونے کے دوسری طرفوں کو بھٹکاتا ہے۔ ایسے انسان کی نماز جب بھی توجہ بھٹک جائے تو بجائے قائم ہونے کے گر گر جاتی ہے تو مومن جب بھی اس کی نماز گر جائے تو اسے پھر اٹھا کر کھڑا کرتا ہے۔ توجہ کو بھٹکانے کے علاوہ شیطان انسان کے دل میں وسوسے اور شبہات بھی ڈالتا ہے تاکہ مومن نماز پر قائم نہ رہے۔ مگر باوجود ان آزمائشوں کے جب مومن نماز پر ڈٹا رہتا ہے تو پھر اس کو نماز میں وہی لذت آنے لگتی ہے جو عمدہ غذا میں ہوتی ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ ثواب اسی بات کا ہے کہ انسان کو نماز قائم کرنے کے لئے جدوجہد یعنی کوشش اور کشمکش کرنی پڑتی ہے تو ان سے پوچھا گیا کہ جب انسان اس مقام سے نکل گیا اور اب اس کو حضوری قلب نصیب ہوگئی تو کیا اس کا ثواب ختم ہوگیا؟ تو انہوں نے فرمایا تب نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام بن جاتی ہے اور اس کا ثواب وہ لذت اور راحت ہے جو اسے نماز میں ملنے لگتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم حضرت بلالؓ کو نماز کے لئے اذان دینے کو یوں فرماتے ''اے بلالؓ ہماری راحت کا سامان کرو''۔ اور حضورؐ نے فرمایا ''میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

نماز کو قائم کرنے کے لوازمات میں مندرجہ ذیل باتیں آتی ہیں:

۱۔ طہارت جسمانی یعنی وضو، غسل اور کپڑوں کی پاکیزگی۔ ان کی بابت احکام میں سورۃ المائدہ ۵۔۶ الاعراف ۷۔۱۳، سورۃ المدثر ۴۷۔۴ میں۔

۲۔ دوئم نماز کو اوقاتِ مقررہ پر ادا کرنا جیسا کہ فرمایا ''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے'' (النساء ۴۔۱۰۳) ہاں سفر میں یا جنگ میں یا دوسری مجبوری سے نمازیں جمع کر لینے کی اجازت ہے۔

۳۔ تیسرے نماز پر دوام یعنی یہ نہیں کہ کوئی پڑھ لی کوئی چھوڑ دی۔ (المعارج ۷۰: ۲۳)

۴۔ چوتھے نماز کی محافظت یعنی سفر ہو، بیماری ہو، جنگ ہو، کوئی سی مشکلات ہوں نماز نہ چھوڑے۔ (المعارج ۷۰: ۳۴)

۵۔ پانچویں نماز کو سمجھ کر پڑھے یعنی انسان کو معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس کے حضور کہہ رہا ہے۔ اپنی عاجزی اور بے کسی کا بھی احساس ہو اور ادب کی صورت میں نماز ادا کرے تبھی نماز میں خشوع خضوع پیدا ہوتا ہے۔ (المومنون ۲۳: ۲)

۶۔ چھٹے توجہ کو نہ بھٹکنے دیا جائے جیسا کہ اوپر یقیمون الصلوۃ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں۔

۷۔ ساتویں نماز میں دکھاوا یا ریاکاری نہ ہو۔ (الماعون ۱۰۷: ۶)

۸۔ آٹھویں نماز کی ادائیگی میں طبیعت میں کسل یا سستی نہ آئے۔

۹۔ نویں حتی الامکان نماز، کم سے کم فرض، باجماعت ادا کئے جائیں۔ (البقرۃ۲:۴۳)

۱۰۔ دسویں نماز کو جلدی جلدی پڑھ لینا اور بعد میں ہاتھ اٹھا کر لمبی لمبی دعائیں کرنا اپنی نماز کو ضائع کرنا اور دعاؤں کے اثر کو کم کرنا ہے۔ نماز کے لئے جو عربی کا لفظ صلوۃ ہے اس کے معنی ہی ہیں دعا کے۔ تو نماز ساری کی ساری دعا ہے۔ اسے سوچ سمجھ کر ادب اور عاجزی سے پڑھنا اور جو دعائیں دل میں اٹھیں انہیں نماز میں ہی خصوصاً سجدوں میں کرنا صحیح طریق اور سنت نبویؐ بھی ہے۔ جو شخص نماز تو فُر فُر یعنی جلدی، جلدی پڑھتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر لمبی دعائیں کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی حاکم یا بادشاہ کے دربار میں تو گیا مگر وہاں عرض حال کرنے کی بجائے باہر آ کر اس حاکم یا شہنشاہ کو چلا چلا کر مخاطب کرنا چاہتا ہے۔

یاد رہے کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں دن میں پانچ بار حاضری کی اجازت بہت بڑی عزت ہے اور موقعہ ہے کہ انسان اس کو جو اس کی تمام ہستی اور زندگی اور آخرت کا مالک ہے راضی کر سکے۔ وہ ذات بابرکات مومن کا دوست بن جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں بارہا اللہ تعالیٰ کے مومنوں کا ولی، ان کا مولیٰ ان کا مددگار ہونے کا ذکر آیا ہے۔ دنیا میں اگر کسی کا کوئی افسر دوست ہو یا اس افسر کے ہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہ شخص اس پر کتنا اتراتا اور فخر کرتا ہے۔ تو زمینوں اور آسمانوں کے شہنشاہ اور مالک کے حضور میں پانچ دفعہ حاضری کا موقعہ ہو یا اس کی دوستی کا فخر نصیب ہو سکے اور انسان اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس سے بدنصیب کون انسان ہو سکتا ہے؟

میں نماز کے مضمون کو انشاء اللہ اگلے درس میں جاری رکھوں گا اور اس کے ایک نہایت اہم فائدہ اور ضرورت کا ذکر کروں گا۔

☆☆☆☆

وفات حسرت آیات

کچھی (ہزارہ)

تمام احباب کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ محترم آفتاب احمد صاحب کی والدہ اور سہیل احمد صاحب اور وقاص احمد صاحب کی دادی محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔

بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

کشمیر (انڈیا)

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ ایم وائی تاثیر (کشمیر انڈیا) قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ آپ احمدیہ انجمن لاہور (انڈیا) کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ مرحوم نے بے شمار خدمات سرانجام دیں اور اپنا تاریخ میں رقم کروایا۔

بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ایم وائی تاثیر کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

درخواست دعا

محترم خرم جمیل صاحب جو کہ کافی عرصہ سے بیمار ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ ان کے اہل خانہ کی احباب و خواتین سے درخواست ہے کہ ان کے لئے خصوصی طور پر اپنی نمازوں میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت یاب کرے۔ آمین

☆☆☆☆

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

بزمِ اطفال

ماں کی دعا

علی ایک نیک دل اور شریف لڑکا تھا۔ اس کے والد کی محلے میں ایک دوکان تھی۔ علی کا ایک دوست نعمان تھا۔ دونوں ساتویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ ہر سال نتیجہ تقریباً یہی نکلتا کہ نعمان اوّل اور علی دوم آتا تھا۔ علی ہر سال اوّل آنے کے لئے عزم کرتا اور اس کے لئے سخت محنت کرتا لیکن پہلی پوزیشن حاصل کرنا خواب ہی رہا۔ ان دنوں علی سخت محنت کر رہا تھا۔ ایک ماہ کے بعد سالانہ امتحان شروع ہونے والے تھے۔ امتحان کچھ دن پہلے علی کی والدہ کو ہارٹ اٹیک ہوا اور ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ مجبوراً علی کی ماں کو ہسپتال داخل کرنا پڑا۔ علی کو مجبوراً ماں کے ساتھ ہسپتال میں رہنا پڑا۔ وہ ان کی خدمت بھی کرتا اور جب والدہ آرام کر رہی ہوتی تو علی اس وقت امتحان کی تیاری بھی کرتا۔ جب امتحان شروع ہوئے تو امتحان کے وقت علی اسکول جاتا اور علی کے والد دوکان بند کر کے ہسپتال آجاتے۔ انہی دنوں ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی والدہ کے دل کے تین والو بند ہیں اور آخری آپریشن ہے۔ آپریشن دو دن کے اندر کرالیں۔ علی کے والد سے رقم کا بندوبست نہ ہوا۔ علی کے والد نے ڈاکٹروں کی بہت منتیں کیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور ماں کو گھر لے آئے۔ رات کو ماں نے تکلیف کی حالت میں علی کے سر پر ہاتھ رکھا اور دعا دی:

''میں تم سے راضی ہوں، خدا بھی تم سے راضی ہو، تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب کرے اور تمہاری ہر نیک خواہش پوری ہو''۔ ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد ماں اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ علی کی ماں کی وفات کے کچھ دنوں بعد رزلٹ آیا تو خلاف توقع پورے اسکول میں علی کی اوّل پوزیشن آئی۔ یہ اس کی ماں کی دعا کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد علی ہر امتحان میں اوّل رہا۔ (عاطف نثار)

☆☆☆☆

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر 1: ہجرت مدینہ کے وقت رسول اکرم صلعم کے ساتھ کونسے صحابی تھے؟

(۱): حضرت علیؓ (۲): حضرت ابوبکر صدیقؓ (۳): حضرت زید بن حارثؓ

سوال نمبر 2: ہجرت مدینہ کے وقت آپ صلعم نے لوگوں کی امانتیں واپس لوٹانے کے لئے کس صحابی کو اپنے بستر پر چھوڑا؟

(۱): حضرت علیؓ (۲): حضرت عمر فاروقؓ (۳): حضرت عثمانؓ

سوال نمبر 3: مسلمانوں نے جو سب سے پہلے مسجد بنائی اس کا نام بتائیں؟

(۱): مسجد نبویؐ (۲): مسجد قبا (۳): مسجد بلال

سوال نمبر 4: فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کیا تھی؟

(۱): ایک ہزار (۲): پانچ ہزار (۳): دس ہزار

سوال نمبر 5: رسول کریم صلعم نے کتنے حج کیے؟

(۱): ایک (۲): دو (۳): تین

گذشتہ ماہ کے درست جواب دینے والوں کے نام

(۱): عماد احمد (پشاور) (۲): ولید احمد (پشاور) (۳): عباد احمد (پشاور) (۴) آفتاب احمد (شیخ محمدی) (۵): دانیال احمد (گوجرانوالہ)

جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دار السلام کالونی نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات sms کے ذریعے بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

☆ اپنا نام اور شہر کا نام ☆ سوال کا نمبر اور آگے جواب

☆ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دار السلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

از جناب رجب علی صاحب (بدوملہی ضلع سیالکوٹ)

ایک احمدی بچے کے جذبات

’’بڑا ہو کر میں اک مبلغ بنوں گا‘‘

سمجھتے ہو میں کون ہوں مہربانو ارادے میرے دِل کے دیکھو تو جانو
میرے دِل میں جذبہ ہے مانو نہ مانو میں اسلام کی خوب خدمت کروں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

میری قوم ہے احمدی قوم پیاری جسے کرتی بدنام ہے خلق ساری
یہ ہیں کارنامے بڑے اس کے بھاری میں اس قوم کو لے کے آگے بڑھوں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

بڑا اس جماعت کا درجہ تھا عالی مگر ایک حصہ ہوا اس کا غالی
مریدی و پیری کی گدّی بنا لی میں غالی گروہ سے الگ ہی رہوں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

میرے دِل میں اک آرزو وہی پرانی میں رکھتا ہوں اک جوش دِل میں نہانی
کہ ہو دودھ کا دودھ پانی کا پانی تمیز حق و باطل میں ایسی کروں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

میں حق کی حمایت میں ایسا لڑوں گا کہ باطل کا سر اک دم کاٹ دوں گا
جو حق بات ہے سب کو منہ پر کہوں گا مخالف سے اپنے نہ ہر گز ڈروں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

میرے کام میں سدِّ راہ جو بنے گا چکھاؤں گا اس کو مزا خوب اس کا
کوئی اس میں مندر ہو یا ہو کلیسا اسے نور حق سے منور کروں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

میں ہر اک حکومت کے مسکن پہ جاکر کروں گا وہ تبلیغ جرات دکھا کر
دلائل سے قرآن سب کو سناکر رہِ دین حق کی ہدایت کروں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

مجھے وہ خدا نے حمیت ہے بخشی کروں گا میں تبلیغ دینِ نبی کی
مخالف کرے جس قدر مجھ پر سختی مصیبت کو جھیلوں گا سختی سہوں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

اگر قوم میری گزر جائے حدسے تمیز اس کی اڑ جائے نیک اور بد سے
مگر محض ارشدخدا کی مدد سے میں گرتی ہوئی قوم کو تھام لوں گا
بڑا ہوکر میں اک مبلغ بنوں گا

فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے

از: اعظم علوی

ہمیں یارو! فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے
دلوں میں نورِ وحدت نورِ فرقاں کی ضرورت ہے
ہمیں عشق محمدؐ عشقِ قرآں کی ضرورت ہے
ضرورت ہے وفائے عہد و پیماں کی ضرورت ہے
ہمیں یارو فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے

ضرورت ہے کہ ہم قرآن کی تفسیر ہو جائیں
مسیحِ وقت کے ہر خواب کی تعبیر ہو جائیں
ہماری کوششیں اسلام کی تقدیر ہو جائیں
ہمیں ایسے یقیں اور ایسے ایماں کی ضرورت ہے
ہمیں یارو فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے

سفر ہو یا حضر ہو، رنج ہو ، غم ہو، مصیبت ہو
ہمارا اولیں مقصد فقط دیں کی اشاعت ہو
شعار اپنا محبت ہو، چلن اپنا صداقت ہو
عزیزو ہم کو عشقِ ربِ رحماں کی ضرورت ہے
ہمیں یارو فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے

ضرورت ہے کہ دل میں جوش ہو ایماں پیدا ہو
خدا کے دین کی خدمت کے لئے رہیجان پیدا ہو
ہمارے ہر عمل میں پھر نئی اک شان پیدا ہو
ہمیں ذوقِ عمل کی، ترکِ عصیاں کی ضرورت ہے
ہمیں یارو فروغِ نورِ ایماں کی ضرورت ہے